بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم میرٹھی علیہ الرحمہ

کی حیات و خدمات پر نادر معلومات کا

حسین گلدستہ

سلطنت مصطفیٰ کا سفیر

بقلم،

حضرت علامہ مفتی نسیم اشرف صاحب حبیبی

ڈربن ساؤتھ افریقہ

203

TO

Dr. Syed Shamim Ahmad 'Gauhar'
Sajjadah Nashin
Khanqah Halimia Abulolaiya
Naya Hujra, 183/127, Chak, Allahabad-211003
Phone : (0532) 2564290

سلطنتِ مصطفی کا سفیر

مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ والرضوان

چیدہ چیدہ حالات وخدمات

-: ترتیب :-

حضرت علامہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی

صدر مفتی حبیبی دارالافتا ڈربن ساؤتھ افریقہ

-: بفرمائش :-

مولانا معین الحق علیمی مصباحی

-: شائع کنندہ :-

المجمع النورانی دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی بستی، یو۔پی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:..................سلطنت مصطفیٰ کا سفیر

مرتب:..................حضرت علامہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی

نظر ثانی:..................حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی

(صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)

پروف ریڈنگ:..................حضرت مولانا کمال احمد علیمی

(استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی)

کمپوزنگ:..................توحید احمد نظامی علیمی

صفحات:..................۸۰

قیمت:..................۴۰ روپئے

تعدادِ اشاعت:..................گیارہ سو

سنِ اشاعت:..................ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ / دسمبر ۲۰۰۹ء

-:ناشر:-

"المجمع النورانی"

شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ

دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

یوپی۔ پن: 272002

نمبر شمار	فہرست عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ.........حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی	۵
۲	تقریظ جلیل.........حضرت علامہ یٰس اختر مصباحی صاحب	۱۱
۳	آئینہ احوال (مرتب کتاب)......مولانا فتح احمد مصباحی ڈربن	۱۴
۴	قد و قامت کی رعنائی....................	۲۶
۵	سوانحی خاکہ	
۶	ولادت....................	۲۷
۷	تعلیم کی نئی سمت....................	۲۸
۸	خطابت....................	۲۹
۹	زبان دانی....................	۳۰
۱۰	خدمات اور کارنامے....................	۳۰
۱۱	نیشنل ہائی اسکول پونا....................	۳۱
۱۲	آغاز سفر	
۱۳	سفر حجاز مقدس....................	۳۲
۱۴	غیر ملکی اسفار کا نامکمل خاکہ....................	۳۵
۱۵	ٹیگوری فتنے کا مقابلہ....................	۳۸
۱۶	سیاہ افریقہ میں اسلام کا اجالا	

۱۷	ساؤتھ افریقہ........................	۴۱
۱۸	موزمبیق........................	۴۳
۱۹	زنجبار........................	۴۴
۲۰	انڈوچائنا........................	۴۵
۲۱	جاپان........................	۴۷
۲۲	حجاز مقدس........................	۴۹
۲۳	ماریشش........................	۵۱
۲۴	ماریشش کا دوسرا دورہ........................	۵۳
۲۵	حسن تقریر........................	۵۵
۲۶	تقریروں کی ریکارڈنگ........................	۵۵
۲۷	ساؤتھ افریقہ........................	۵۷
۲۸	کیپ ٹاؤن........................	۶۰
۲۹	پورٹ ایلزبتھ........................	۶۳
۳۰	لیڈی اسمتھ........................	۶۴
۳۱	ماریشش کا آخری سفر........................	۷۹
۳۲	اتحاد بین المذاہب کانفرنس سنگاپور........................	۷۵
۳۳	آغوش محبوب میں........................	۷۷

پیش لفظ

حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی
صدر المدرسین دار العلوم علیمیہ جمداشاہی

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

''بخدا اے علی! خدائے تعالیٰ کا تیرے ذریعے کسی ایک شخص کو ہدایت دینا تیرے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے''۔[بخاری وسلم بحوالہ ریاض الصالحین مقدمہ]۔

اونٹ اور خاص طور سے سرخ اونٹ عربوں کی نفیس و پسندیدہ ترین دولت تھی اور اس کی کثرت دولت مندی و سرمایہ داری کی عام علامت بھی، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے ایک آدمی کی ہدایت کو سرخ اونٹوں سے بہتر قرار دے کر دینی دعوت اور رشد وہدایت کی فضیلت واہمیت کو گویا محسوس اور بڑے دل نشیں طریقے سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

اس فرمان سے دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور اس کام میں ان کی رغبت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جو راغب نہیں ان میں رغبت وحوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مبلغِ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سلف کے متوارث مذہب اور اعلیٰ حضرت کی حقیقی اور صحیح وسالم فکر کے سچے عالمی داعی وترجمان تھے، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کے اشارے پر ان کی دعائیں لے کر مثبت انداز اور سائنٹفک طرز پر پوری دنیا میں دینی تبلیغ کا زبردست کام کیا ہے۔آپ بنیادی طور سے ایک مبلغ اور عالمی مبلغ تھے۔قدرت نے اپنے خصوصی فیضان سے آپ کو وہ تمام وہبی وکسبی صلاحیتیں بخشی تھیں، جو عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ کے لیے درکار اور ضروری ہوتی ہیں۔

آپ درجنوں بڑی اور چھوٹی، عام اور محدود زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ جدید وقدیم اور دینی ودنیوی علوم وفنون سے بھرپور آراستہ تھے، آپ تصوف اور سائنس جیسے دو ایسے علوم کے جامع تھے، جو عموماً ایک ذات میں شاید باید جمع ہو پاتے ہیں، دین اور روحانیت کو سائنس اور مادّیت کے ذریعہ سمجھانے کا فن کوئی آپ سے سیکھے، آپ اپنے مخاطب کی نفسیات کا پورا خیال رکھ کر بات کہتے تھے، آپ مکمل سنجیدگی ومتانت اور کامل حکمت وموعظت کے ساتھ بڑے پُرتاثیر ودل پذیر انداز سے اپنی بات سمجھاتے تھے۔زبان بہت آسان اور اندازِ بیان انتہائی سادہ اور فطری استعمال کرتے تھے۔اس لیے آپ کی تحریر وتقریر از دل خیزد بر دل ریزد کا نمونہ

ہوتی تھی۔

ان سب خوبیوں کے ساتھ ساتھ تاثیر ودل پذیری میں بے مثال، آپ کی تفہیم وتبلیغ کی جو سب سے بڑی خوبی مجھے سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ نبوی اخلاق وکردار کا عملی نمونہ تھے اور اپنے کام میں حد درجہ مخلص بھی تھے، آپ اپنے مخاطبین کو اپنے اخلاق واخلاص کے ذریعے ان کا سچا ہمدرد و خیر خواہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ آپ نے محض رضائے الٰہی، اعلائے کلمہ حق اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے جذبے سے دعوت کا کام انجام دیا ہے۔

یہی ساری خوبیاں مبلغِ اسلام کو بہتوں سے ممتاز کرتی ہیں، اور انہیں کے باعث مبلغِ اسلام کے ہاتھ سے ایک مشہور روایت کے مطابق ستر ہزار لوگ کفر کے اندھیرے سے نکل کر ایمان کے اجالے میں آگئے۔

درج بالا حدیث کی روشنی میں ہمارے مبلغِ اسلام نے ستر ہزار لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن کر آخرت کے بینک میں اجر و ثواب کا کتنا ذخیرہ جمع کر لیا ہے، اسے تو بس ان کا توفیق دینے والا خدائے ہادی و منعم ہی بہتر جانتا ہے۔ مبلغِ اسلام کے اس عظیم مخلصانہ اور بے لوث خیر انجام دعوتی کام کے اثرات امریکہ، یورپ، افریقہ اور ایشیا میں آج تک بہت واضح طور سے محسوس کیے جا رہے ہیں۔ جس کا اعتراف

اغیار بھی کرنے پر مجبور ہیں۔ میرا خیال ہے کہ عین خواہش کے مطابق جنت البقیع میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں جگہ پانا بھی اللہ ورسول کی بارگاہ میں آپ کی اور آپ کے کام کی مقبولیت کی علامت ہے۔

آج کے بوالہوسی اور عیش وعشرت کے دلدادہ ماحول کو زروجوہر سے بے نیاز مبلغِ اسلام کی مفت تبلیغ شاید چونکانے کے لیے کافی ہو، اگر عبرت کے کان ہیں، تو یہ بیان ضرور پڑھیے:

''(ڈربن ساؤتھ افریقہ میں) چھ ماہ کے پورے دورے میں مولانا [عبدالعلیم] نے کوئی نذرانہ وصول کیا، نہ تحفہ۔ روانگی سے کچھ قبل ڈربن کے ایک سرمایہ دار تاجر نے ۲۵۰ پونڈ کی رقم تحفۃً پیش کی، حضرت نے قبول فرما کر پھر انہیں واپس کی، اور فرمایا یہ رقم ''عبدالعلیم صابر اسکالرشپ فنڈ'' میں شامل کر لیجیے، یہ حقیقتِ حال ہے''۔ [ماہنامہ مسلم ڈائجسٹ جنوری ۱۹۵۳ء ص ۳]

مبلغِ اسلام نے افریقہ اور خاص طور سے افریقۂ جنوب کے ملکوں اور شہروں کو زیادہ وقت دیا، اور ان پر زیادہ توجہ صرف کی، ان میں ماریشش، ڈربن اور کیپ ٹاؤن وغیرہ سرِ فہرست ہیں۔

مبلغِ اسلام کی عالمی تبلیغی خدمات کا ریکارڈ اپنی پوری تفصیلات و جزئیات کے ساتھ ابھی تک منظر عام پر آنے کا منتظر ہے، وصال کو نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی اب تک صرف اجمال ہی کا اعادہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ بے حسی اور مایوسی کے اس ماحول میں ہمارے خواجہ تاش اور محسن و کرم فرما صاحب کتاب حضرت علامہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی صدر مفتی حبیبی دار الافتا، ڈربن، ساؤتھ افریقہ نے حضرت مولانا معین الحق صاحب علیمی اور فقیر کی گزارش و تحریک پر افریقۂ جنوب میں مبلغ اسلام کی خدمات کو قدرے تفصیل سے قلم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولی تعالیٰ آپ کی سعی مشکور فرمائے، اور آپ کے اس اقدام کو اوروں کے لیے نمونۂ تقلید بنائے۔

اس کتاب میں اجمال کی بعض کلیوں نے گل تفصیل کی صورت ضرور اختیار کرلی ہے، لیکن یاد رہے کہ دستیاب مواد میں ایسے اجمالات کی تعداد ابھی بہت زیادہ ہے، جو تفصیل کے محتاج ہیں، اور بہت سی باتیں ابھی اجمالاً بھی باضابطہ قیدِ تحریر میں نہیں آسکی ہیں۔

اگر حضرت والا مزید کچھ اپنا قیمتی وقت اس کام کے لیے وقف فرمادیں، خود بھی لکھیں اور دوسرے جاننے والوں سے بھی لکھوائیں تو یہ ایک بڑا کارنامہ ہوگا، آپ سے اس لیے امید ہے کہ آپ اہل بھی ہیں، اور دلچسپی بھی رکھتے ہیں، اور خانوادۂ

علیمیہ سے آپ کے تعلقات بھی اس کا تقاضا کرتے ہیں، اور ایک عرصے سے مبلغِ اسلام کے میدانِ عمل میں آپ کام بھی کر رہے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

حضرت مفتی صاحب کی اس قلمی کاوش کو انہیں کے صرفے سے دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی شائع کرتے ہوئے ان کا بہت بہت شکر گزار ہے۔

مخلص

فروغ احمد اعظمی مصباحی

خادم دار العلوم علیمیہ

جمدا شاہی، ضلع بستی یوپی

انڈیا

۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

۱۳/ دسمبر ۲۰۰۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ جلیل

رئیس القلم علامہ یٰسٓ اختر مصباحی

بانی وصدر دار القلم ذاکر نگر، نئی دہلی

دعوت اور تبلیغ و اصلاح کے حقیقی مفہوم کے ساتھ مبلغِ اسلام داعی اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فریضۂ دعوت و تبلیغ واصلاح کی انجام دہی میں اپنی زندگی صرف کردی، اور شرق وغرب میں وہ جہاں بھی گئے سفیرِ اسلام بن کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے اور انہیں اسلام سے قریب کرتے رہے۔

قائدِ اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان نے ایک بار حضرت مبلغِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"جب افریقی ممالک میں حضرت مبلغِ اسلام اپنے تبلیغی سفر پر نکلتے تو بحری جہاز جس جزیرہ کے قریب رکتا اس میں آباد قبائل کے درمیان تبلیغِ اسلام کے لیے آپ ہفتہ دو ہفتہ کے لیے قیام پذیر ہوجاتے اور لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے، پھر بحری جہاز پر سوار ہوتے اور جہاں جہاز لنگر انداز ہوتا آپ جہاز سے اتر پڑتے اور قریبی جزیرہ

کی آبادی میں دعوتِ اسلام دیتے۔اس طرح نہ جانے کتنے جزائر پر آپ نے اسلام کا پیغام پہونچایا۔اور ہزاروں افراد کو حلقہ بگوش اسلام کیا''۔

ایک داعی کو جن صفات سے متصف ہونا چاہئے اور جس طرح اسے متعدد زبانوں پر عبور ہونا چاہئے، پھر دعوت وتبلیغ کی راہ میں جس حکمت وبصیرت اور دور اندیشی ومعاملہ فہمی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ساری خوبیاں حضرت مبلغِ اسلام کے اندر موجود تھیں۔یہی وجہ ہے کہ صحرائے افریقہ سے دیارِ یورپ تک کے عوام وخواص سب کو آپ نے اپنے دل کش اسلوبِ دعوت سے متاثر کیا اور بڑی بڑی دانش گاہوں میں آپ کا خطاب ہوا، جس میں آپ نے فطری اور سائنسی طرز پر بڑی مہارت کے ساتھ اذہان وقلوب کو متاثر کیا۔

بیسویں صدی عیسوی کے اندر متحدہ ہندوستان کے علما کے درمیان آپ کی شخصیت اور حیثیت ممتاز تھی، جن اعلی اوصاف وکمالات کے ساتھ آپ کا داعیانہ جوہر سامنے آیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔اس لیے آج کے داعیانِ اسلام کو چاہئے کہ ماضی قریب کی شخصیات میں آپ کو اپنا نمونہ عمل بنائیں۔جس کا رشتہ سلسلہ بہ سلسلہ اور عہد بہ عہد ہوتا ہوا اس ذاتِ گرامی تک پہونچتا ہے، جو سارے جہاں کے لیے نمونۂ عمل ہیں، اور جن کے بارے میں قرآنِ حکیم ارشاد فرماتا ہے:لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ''۔

زیرِ نظر کتاب "سلطنتِ مصطفیٰ کا سفیر" کے اندر اس کے مرتب حضرت مولانا نسیم اشرف حبیبی دامت برکاتہم القدسیہ نے بڑی محنت و عرق ریزی کے ساتھ تلاش و جستجو کر کے بہت سی ایسی معلومات جمع کر دی ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہی ہیں۔ جن میں سے کچھ معلومات اب تک قیدِ تحریر میں نہیں آسکی ہیں۔ موصوف کی یہ خدمت قابلِ تعریف و تقلید اور جماعتِ اہل سنت کی طرف سے مبارک باد کی مستحق ہے، اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ یہ دینی و دعوتی خدمت اب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر معزز قارئین کی روحانی مسرت کا سامان بن رہی ہے۔

ربِ کائنات اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور اس کے مولف کو جزائے خیر سے نوازے، اور ہم سب کو حضرت مبلغِ اسلام و دیگر علمائے اہلِ سنت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

یٰس اختر مصباحی
بانی و صدر دار القلم ذاکر نگر نئی دہلی
موبائل نمبر 09350902937

۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ
۷/ نومبر ۲۰۰۹ء

آئینہ احوال مرتب

حضرت علامہ مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی

از: حضرت مولانا فتح احمد مصباحی ڈربن

ذہانت و فطانت، سنجیدگی و متانت، پاکیزگی نفس، عالی ظرفی، فراخ دلی، کشادہ روئی، خوش مزاجی، مہمان نوازی، بردباری، انکساری، اصاغر نوازی، رحم دلی، بندہ پروری، شفقت و محبت، اللہ ورسول کی اطاعت شعاری، والدین کی فرمابرداری، اساتذہ و مشائخ کی نیازمندی، اسلاف و اکابر کی عقیدت کیشی، بلند ہمتی، خود اعتمادی، بے باکی، خودداری، عالمانہ وقار، دینی تصلب، حق پر استقامت، ولولۂ احقاقِ حق، جذبۂ ابطالِ باطل، جوشِ سنیت، اخلاص وللّٰہیت، جبینِ سعادت پر سجدوں کی تابانی اوران کے علاوہ دیگر بہت سارے اوصاف و محاسن کی مجموعۂ کمال و جمال شخصیت کا نام ہے ''مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی''۔ جن کی اخلاقی اقدار قابلِ رشک اور جن کی سادہ و بے تکلف طرزِ زندگی خود ان کے لیے ذریعہ فلاح و نجات اور دوسروں کے لیے نمونۂ حیات ہے۔

ولادت:

حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کی ولادت ۱۹۴۲ء کے عربی ماہ ذوالقعدہ میں ان کے آبائی وطن ''ریول گنج مانجھی''، ضلع ''چھپرہ'' صوبہ بہار میں ہوئی۔ جو شہر

چھپرہ سے تقریباً نو کلومیٹر دور دریائے گھاگھرا کے کنارے ہے۔

وطن مالوف اور خاندانی پس منظر:

آپ کے مورث اعلیٰ ''ہمت خان افغانی'' شاہجہانی فوج میں ملازم تھے۔ قلعہ مانجھی کے راجہ کی سرکوبی کے لیے شاہجہاں بادشاہ نے ایک کمک بھیجی، جس نے قلعہ مانجھی کو مسخر کرلیا۔ بادشاہ خوش ہوا، قلعہ مانجھی انہیں مجاہدین میں سے ایک کے حوالہ کردیا اور باقی سپاہیوں کو اطراف وجوانب کی اچھی خاصی جاگیریں ملیں۔ ہمت خان جو افغان کے رہنے والے شاہجہاں کے فوجی تھے۔ انہیں ریول گنج کی جاگیر ملی۔ تو انہوں نے وہیں سکونت اختیار کرلی۔ انہیں ہمت خان کی کئی پشتوں بعد رحیم بخش خاں کا نام ظاہر ہوتا ہے۔ جو زمیندارانہ شان وشوکت کے ساتھ متقی و پرہیزگار بھی تھے۔ اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف تھے۔ رحیم بخش خاں کے لڑکے حبیب اللہ خاں اور ان کے دوسرے فرزند محمد نعیم اللہ خاں جو حضرت مفتی صاحب کے والدِ ماجد ہیں جن کا خطاب ''مجاہدِ جلیل'' اور لقب ''مولانا الحاج'' ہے۔

والد ماجد دار الخیر اجمیر شریف میں:

حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کے والدِ ماجد مناظرِ کبیر، مجاہدِ جلیل علامہ الحاج محمد نعیم اللہ خاں (متوفی ۳۰ / مارچ ۱۹۶۳ء) علیہ الرحمہ نے مدرسہ حمیدیہ ریول

گنج چھپرہ بہار میں بسم اللہ خوانی کی اور عربی فارسی درجات تک پڑھ کر ضلع اعظم گڈھ یوپی گئے۔ وہاں کچھ ہی دنوں رہ کر اپنے چند رفقائے درس کے ساتھ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور حضرت علامہ معین الدین اجمیری (علیہ الرحمہ) کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا۔ اور عطائے رسول، سلطان الہند سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے خوب فیض اٹھایا۔

والدماجد اور میرٹھی خانوادۂ صدیقی کی کرم فرمائیاں:

حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کے ایک رشتہ کے چچا مولانا پروفیسر خلیل احمد خاں انہیں دنوں حضرت علامہ الحاج احمد مختار صدیقی میرٹھی (علیہ الرحمہ) کی سرپرستی میں "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" اندر کوٹ میرٹھ میں مصروف تعلیم تھے۔ اور چونکہ حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں (علیہ الرحمہ) اجمیر شریف میں تعلیمی ماحول سے مطمئن نہیں تھے اپنی اسی بے اطمینانی کا ذکر اپنے رشتہ کے بھائی پروفیسر خلیل احمد خاں سے کر دیا۔ پھر انہوں نے ہی حضرت مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں صاحب کو میرٹھ بلا لیا۔ اس طرح یہ بھی "مدرسہ اسلامیہ عربیہ" میرٹھ میں زیرِ درس ہو گئے۔

والدماجد اور علامہ احمد مختار صدیقی:

حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کے والد ماجد حضرت مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں کو میرٹھ میں پڑھتے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ علامہ صدیقی نے اپنے ساؤتھ افریقہ کے تبلیغی سفر میں رفیقِ سفر اور خادمِ خاص کی حیثیت سے منتخب فرما کر (غالباً ۱۹۳۲ء/۱۹۳۳ء کا زمانہ تھا) انہیں اپنے ساتھ لے کر ساؤتھ افریقہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ ڈربن اور دیگر شہروں میں تقریباً دو سال قیام رہا۔ جہاں علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ نے بہت ہی عظیم دینی و تبلیغی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ جن کے تابندہ نقوش و مفید ثمرات آج بھی موجود ہیں جو علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں کی صحبت و رفاقت کی بھی گواہی دے رہے ہیں۔

والد ماجد اور زیارت حرمین شریفین:

حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے عظیم خلیفہ اور مبلغِ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ کے برادرِ بزرگ و مربی محسن اہلسنت حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمۃ نے ساؤتھ افریقہ میں کم و بیش دو سال قیام فرما کر حضرت مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی کے والدِ ماجد علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں کو لے کر حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ حج، عمرہ، زیارت، سے بہرہ ور ہو کر دونوں انڈیا واپس تشریف لائے۔ اس طرح حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں صاحب قبلہ کا کم عمری ہی

میں یہ پہلا حج اور پہلی حاضری تھی۔

والدماجداور صدر لافاضل:

چونکہ ساؤتھ افریقہ کے لمبے تبلیغی سفر اور زیارتِ حرمین شریفین کے دوران درس وتدریس کا سلسلہ باضابطہ قائم نہ رہ سکا تھا۔اس لیے حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ نے اپنے اس چہیتے خادم وشاگرد حضرت علامہ مولانا محمد نعیم اللہ خاں کو اپنے ساتھ خود لے کر مراد آباد پہنچے اور آپ کو حضرت صدر الافاضل علامہ سید شاہ محمد نعیم الدین علیہ الرحمہ کے حوالہ کیا تاکہ ان کی خدمت میں رہ کر درس وتدریس کی تکمیل ہو جائے۔حضرت صدر الافاضل کی خدمت میں پہنچنا حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں صاحب قبلہ کے لیے ایک نئی منزل کی طرف قدم بڑھانے کا ذریعہ بن گیا۔

والدماجداور مجاہدملت:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کے والدِ ماجد حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں ''جامعہ نعیمیہ'' مراد آباد میں داخل ہوئے تو وہاں سلطان التارکین حضور مجاہد ملت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن رئیس اڑیسہ علیہ الرحمہ صدر المدرسین تھے۔وہیں سے آپ کو حضور مجاہد ملت کی غلامی میسر آئی پھر تو زندگی کی آخری سانس تک انہیں کے

ہو کے رہ گئے۔

والدِ ماجد اور ''الحاج'' کی وجہ عرفی:

چونکہ ''جامعہ نعیمیہ'' میں سبھی آپ کو ''نعیم'' کہہ کر بلاتے اور پکارتے تھے۔ حضور مجاہد ملت کو یہ نا گوار گذرا۔ کیونکہ حضور صدر الافاضل کا نام بھی ''محمد نعیم الدین'' تھا اور نعیم، نعیم پکارنا حضور صدر الافاضل کی بے ادبی محسوس ہوتی تھی۔ لہذا ایک مرتبہ حضور مجاہد ملت نے فرمایا کہ ماشاء اللہ ورسولہ آپ حج سے مشرف ہیں، اس لیے آج سے ہم سبھی آپ کو ''الحاج'' کہا کریں گے۔ تا کہ امتیاز بھی رہے اور حضور صدر الافاضل کی خدمت میں بے ادبی کا شائبہ بھی نہ ہو۔ اسی دن سے آپ کا عرفی نام ''الحاج'' اتنا مقبول و مشہور ہوا کہ بعد والوں کو آپ کا اصلی نام ہی نہیں معلوم۔ لوگ آپ کو ''مولانا الحاج'' ہی سے زیادہ جانتے پہچانتے ہیں۔

والدِ ماجد اور الہ آباد:

مراد آباد کے زمانۂ قیام میں حضور مجاہدِ ملت نے اپنی فراستِ مومنانہ اور دور بیں نگاہوں سے اندازہ کرلیا تھا کہ یہ جوہر ''جوہر قابل اور کندن'' بن سکتا ہے۔ لہذا جب جامعہ نعیمیہ مراد آباد سے سبکدوش ہوکر ''مدرسہ سبحانیہ'' الہ آباد میں صدر مدرس ہوکر تشریف لائے تو حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کے والدِ ماجد علامہ الحاج محمد نعیم

.. اللہ خاں صاحب کو بھی اپنے ساتھ ''مدرسہ سبحانیہ'' الہ آباد لے آئے۔ جہاں سے آپ نے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

حضور مجاہدِ ملت نے آپ کو خوب نوازا۔ اور آپ نے بھی حضور مجاہدِ ملت کے چشمۂ شیریں سے خوب فیض اٹھایا۔ مسجدِ اعظم کی واگزاری۔ ''جامعہ حبیبیہ'' کی تعمیر و ترقی اور ''آل انڈیا تبلیغ سیرت'' کی سرگرمیوں میں اتنا مجاہدانہ کردار ادا کیا کہ آپ کا لقب ''مجاہدِ جلیل'' ہو گیا۔

چونکہ آپ کی سرگرمیوں کا مرکز خصوصاً الہ آباد رہا۔ اس لیے آپ نے اسی شہر کو اپنا مستقل مسکن اور پھر مدفن بنالیا۔ اس طرح نصف صدی سے زائد عرصہ سے حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی صاحب کا وطن الہ آباد ہی ہے۔

تعلیم و تربیت:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی نے ایک ایسے اسلامی گھرانہ میں آنکھیں کھولی جہاں کا پورا ماحول دینی اور مذہبی تھا۔ مہدِ مادر سے دوشِ پدر تک تربیت ہوتی رہی۔ پھر ''جامعہ حبیبیہ'' الہ آباد سے حافظ، قاری، عالم بن کر نکلے۔ اور جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل، پاس کیے۔ الہ آباد عربی فارسی بورڈ سے فاضل ادب بھی۔

عربی وفارسی:

پروفیسر سید محمد رفیق صدر شعبۂ عربی وفارسی الہ آباد یونیورسٹی سے حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی نے خصوصی عربی وفارسی زبان وادب کا درس لیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت میں ان کا خاص حصہ اور اہم کردار ہے۔

اساتذہ:

(۱) والدِ گرامی حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نعیم الدین خاں صاحب علیہ الرحمہ (۲) برادرِ کبیر حضرت علامہ مولانا محمد شمیم اشرف ازہری مدظلہ العالی (۳) حافظ وقاری نعمت اللہ الہ آبادی (۴) مولانا قاری سید مقبول حسین الہٰ آبادی (۵) مفتی عبدالعزیز فتح پوری (۶) شیخ المعقولات علامہ معین الدین اعظمی (۷) پروفیسر سید محمد رفیق۔

نوٹ: ''جامعہ حبیبیہ'' کے طلبا کے ساتھ ایک موقعہ پر مثنوی شریف کے چند اشعار کا تبرکاً خصوصی درس حضور مجاہدِ ملت علیہ الرحمہ سے لیا۔ اور انگریزی زبان پر خود قابو پالیا

۔

مرشد طریقت:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کے پیر ومرشد حضور مجاہدِ ملت علیہ الرحمہ ہیں۔

دینی خدمات:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کی دینی خدمات دو عظیم براعظموں یعنی ایشیا وافریقہ کو محیط ہیں۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے والدِ ماجد کے وصال کے بعد جامعہ حبیبیہ الہٰ آباد کے مہتمم ہوئے۔ چند سال جامعہ حبیبیہ الہ آباد میں درس دیا۔ تین سال شہر بنگلور میں خطیب وامام رہے۔ پھر بمبئی قلابہ حنفیہ مسجد کی امامت وخطابت سنبھالی اور اسی مسجد میں ''دارالعلوم حنفیہ'' قائم کیا۔

قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ کے ایما پر ڈربن ساؤتھ افریقہ ''دارالعلوم علیمیہ رضویہ'' کے صدرِ مدرس کی حیثیت سے ۱۹۸۳ء میں تشریف لائے، اور دس سال تک خدمات انجام دیتے رہے۔ ڈربن، جوہانسبرگ کی مساجد میں ''ہیڈ پریسٹ'' بھی رہے۔ اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

صحافتی زندگی:

قلم وتحریر اور زبان وادب سے آپ کا ہمیشہ واسطہ رہا۔ ''ماہنامہ حجاز'' رائے بریلی کی ادارت، بلکہ اس کا نام بھی آپ ہی نے تجویز فرمایا۔ ''ماہنامہ تسخیر'' بنگلور کے ایڈیٹر ہفت روزہ (ویکلی) ''استقامت'' کانپور کے مجاہدِ جلیل نمبر مارچ ۱۹۶۴ء کے مرتب، مذہبی رسالوں میں مضامین، اور ادبی جرائد مثلاً شہیر الہ آباد، سب رنگ الہ

آباد اور شاخسار کٹک وغیرہ میں پیرا گراف، دیگر اشتہارات ومراسلات کے علاوہ اب اپنے ہی قائم کردہ ''حبیبی دارالافتا'' سے فتاوے صادر فرمارہے ہیں۔

مذہبی وتبلیغی اسفار:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی نے دو حج اور چھ، سات عمرے کیے، نیز ہر بار مدینہ طیبہ کی حاضری، انڈیا اور ساؤتھ افریقہ کے بیشتر شہروں کا دورہ کرنے کے ساتھ ساتھ ملاوی، زمبابوے، موزمبیق، بوٹسوانہ، کینیا، تنزانیہ، برطانیہ، لسوتھو، موریشش اور دبئ وغیرہ کے اسفار فرما چکے ہیں۔

تلامذہ:

الہ آباد، بمبئ اور ڈربن کی تدریسی زندگی میں بہت سارے تلامذہ اور شاگردوں نے فیض اٹھایا۔

شادی:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی کی شادی بنارس کے قریب قصبہ ''بھدوہی'' میں ہوئی۔ چار لڑکیوں کے ساتھ ایک لڑکا نعمان اشرف ہے۔ جو یہاں ایک جرمن کمپنی میں چارٹرا کاؤنٹنٹ ہے۔

آپ کے ایک عظیم محسن علامہ شاہ احمد نورانی:

حضرت مفتی نسیم اشرف حبیبی خانوادۂ صدیقی اور خانوادۂ علیمی کا اکثر تذکرہ بڑے فخر اور شکر و احسان کے ساتھ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس خاندان سے ہمارے خاندان کا رشتۂ محبت و عقیدت بہت قدیم ہے۔ کیونکہ جہاں حضرت علامہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ نے میرے والدِ ماجد حضرت علامہ مولانا الحاج محمد نعیم اللہ خاں پر بے شمار الطاف و نوازشات فرمائیں، وہیں قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیمی علیہ الرحمہ نے مجھ پر اور میرے بڑے بھائی علامہ شمیم اشرف ازہری پر عنایات و احسانات فرمائے۔ حضرت نے ہی بڑے بھائی کو ماریشش بلایا اور مجھے ۱۹۸۳ء میں ڈربن حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء ۔

الحاصل:

ہمارے ممدوح حضرت علامہ حافظ قاری مفتی محمد نسیم اشرف حبیبی مدظلہ العالی عوام و خواص میں یکساں مقبول، ایک معتمد مذہبی قائد، اور علمائے اہلسنت کے سالارِ قافلہ ہیں۔ جنہوں نے عربی، فارسی، اردو اور انگلش زبانوں میں اپنی تدریسی، تحریری ، تقریری اور تبلیغی خدمات سے بے شمار قلوب و اذہان کو مصفّیٰ و مجلیٰ کیا۔ کتنوں کو بدعقیدگی سے بچایا، اور بہتوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ کی ذات ساؤتھ افریقہ

کے لیے غنیمت ہی نہیں بلکہ اللہ و رسول کی طرف سے بیش بہا نعمت ہے۔

تقریباً دس بارہ سال قبل ڈربن کے ایک بہت بڑے جلسے کی نظامت کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کی خدمات سے متاثر ہو کر فی البدیہہ یہ تہنیتی قطعہ ان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے میں نے انہیں دعوتِ سخن دی تھی۔ جسے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے مدعوئین کے ساتھ سامعین نے بھی خوب پسند کیا تھا۔

علما کے معتمد ہیں مفتی نسیم اشرف فاضل بھی مستند ہیں مفتی نسیم اشرف

بین العوام ان کی مقبولیت تو دیکھو حجت بھی ہیں سند ہیں مفتی نسیم اشرف

(مولانا) فتح احمد مصباحی عیش بستوی

ڈربن، ساؤتھ افریقہ

۱۴/ اگست ۲۰۰۹ء

قدوقامت کی رعنائی

قلمی تصویر

کشادہ پیشانی ، گورا رنگ، سر گول اور باوقار ، بڑی اور روشن آنکھیں ، آنکھوں پر عینک ،ستواں ناک ،چوڑا سینہ، تراشیدہ ہونٹ، گھنی ڈاڑھی، دندان چھوٹے چھوٹے انار کے دانوں کی طرح باہم جڑے ہوئے ،درمیان باریک ساشگاف، کبھی جب تبسم فرماتے تو شگفتگی گل کا دیدہ نواز منظر ہوتا۔

مونچھوں کے کنارے ڈاڑھی سے متصل ۔قدیم وضع کا مسنون عمامہ اکثر کتھئی رنگ کا۔ جو سر پر خوب سجتا اور چہرہ کی دلکشی میں اضافہ کرتا۔عربی وضع کا لمبا کرتہ۔کرتے کے اوپر ڈھیلا ساٹخنوں تک دبیز کپڑے کا لمبا جبہ،جس کا گریبان اکثر کھلا رہتا۔ گلے کے گرد ایک لمبا رومال رہتا جس کے دونوں کنارے لٹکتے رہتے۔

اخیر عمر میں گلے کے گرد ایک نہایت خوبصورت گندھی ہوئی سیاہ یا براؤن رنگ کی تسبیح ہوتی جو جب نمایاں ہوتی تو سراپا مزید پرکشش ہو جاتا۔ہاتھ میں سبک سی چھڑی۔

باسمہ سبحانہ

سوانحی خاکہ

ولادت:

۱۵ر رمضان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۳ر اپریل ۱۸۹۲ء میرٹھ یو۔ پی، میں ہوئی۔ والد کا نام مولانا شاہ محمد عبدالحکیم صدیقی، میرٹھ کے محلہ ''مشائخان'' میں آپ کا خاندان بہت معزز تھا۔ دینی علوم اور شعر و ادب کا امتیاز تھا۔ محلہ کا نام ''مشائخان'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ پاک باطن اہل اللہ اور مقدس گھرانوں کی آبادی تھا۔ سیدنا صدیق اکبر کی پاک نسل کی روحانی علمی وراثتوں کا امین، صدق و صفا کا پیکر یہ خاندان اپنی مثال آپ تھا۔ والدِ ماجد عالم بھی تھے، اور عمدہ شاعر بھی۔ علمِ باطن اور تصوف میں بھی گہرا شغف تھا۔ والدِ ماجد کی سرپرستی میں چار سال اور دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔

۱۲ سال کی عمر میں والدِ ماجد کی شفقت و تربیت کا سایہ اٹھ گیا۔ مولانا شاہ عبدالحکیم صدیقی کے انتقال کے بعد والدہ ماجدہ نے اس ہونہار صاحبزادے کو اپنی مادرانہ آغوشِ تربیت میں سمیٹ لیا تو دوسری طرف برادرِ بزرگ حضرت مولانا شاہ احمد مختار صدیقی نے ان کی تعلیمی سرگرمیوں کی سرپرستی قبول فرمائی۔

ابھی آپ سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے، تعلیم اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھی کہ میرٹھ کے مسلمانوں نے ۹ سالہ محمد عبدالعلیم صدیقی کی خفیہ صلاحیتوں کا ایک

حیرت انگیز نمونہ دیکھا۔ جامع مسجد میرٹھ کے جلسہ میلادالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مکمل ایک گھنٹہ تک اس ہونہار صدیقی شہزادے نے اپنے اجدادِ کرام کی روحانیتوں کے فیوض لٹا کر سامعین کو حیرت میں ڈال دیا، اور یہ بھی سب نے دیکھ لیا کہ خطابت کے ذریعہ عوام وخواص کے ذہن کو تسخیر کرنے کا ہنر قدرت نے انہیں کس قدر وافر ودیعت فرمایا ہے۔

نوعمری سے ہی علم کی تشنگی کا یہ عالم کہ عمر کے سولہویں سال تک پہونچتے پہونچتے درسِ نظامی کا نصاب مکمل کرلیا، اور ''مدرسہ قومیہ عربیہ'' میرٹھ سے سند فراغت حاصل کرلی۔ خاندانی روایت نیز اس دور کے رواج کے مطابق اتنی تعلیم خاصی سمجھی جاتی تھی۔ اس کے بعد ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا دور شروع ہوتا تھا۔

تعلیم کی نئی سمت:

اب مولانا عبدالعلیم صدیقی شعور وفکر کی اس عمر کو پہونچ چکے تھے جہاں سے خود اپنی راہیں بنانی تھیں اور اپنی منزل کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ منزل کا جو نقشہ ان کی جدت طراز طبیعت نے مرتب کیا اس کی ضرورتیں اور تقاضے رسمِ زمانہ سے جداگانہ تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ جدید علوم سائنس، ریاضی، طبعیات، جدید فلسفہ وغیرہ سے استفادہ کے لیے انگریزی سیکھنا ضروری ہے۔ پہلے ذاتی طور پر کوشش کرتے رہے۔ پھر باضابطہ اٹاوہ ہائی اسکول میں داخلہ حاصل کرلیا۔ ۱۹۱۳ء میں میٹرک پاس کرلیا اور بلا تاخیر ڈویزنل کالج میرٹھ میں گریجویشن کے لیے داخلہ کا فارم بھر دیا اور

وہیں سے ۱۹۱۷ء میں بی۔اے۔پاس کیا۔یہ وہ سمت تھی جس نے انہیں ایک طرف مغربی علوم وافکار سے آشنا کیا اور دوسری طرف اسلام، امت اسلامیہ، مشرقی علوم، دینی روحانی اقدار کے خلاف مغربی سازشوں کا راز افشا کر دیا۔ان کی علمی خیانتوں کا پول کھل گیا۔مسلمانوں کا مغربی علوم اور سائنس پر احسان عرب علما کے ایجادات اور انسانیت کے لیے ان کی خدمات سے صرف نظر۔یہ وہ حقائق تھے جن سے مولانا نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ان کی تہہ تک پہونچ کر دنیا کو دکھانا اور بتانا بھی چاہتے تھے۔

خطابت:

۹ سال کی عمر میں خطابت کے جوہر کھل چکے تھے۔وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے علم اور مطالعہ میں وسعت ہوتی رہی، خطابت بھی اپنی آن بان کے ساتھ نمایاں ہوتی گئی۔قدرت نے آواز میں ایک خاص نغمگی عطا فرمائی، جو لہجہ کے اخلاص اور مقصد کی بلندی کے ساتھ مزید سحر انگیز ہو جاتی، اور سماعتوں سے گزر کر دلوں کو چھوتی ہوئی سامعین کو مست و بیخود بنا دیتی۔سادہ نثر میں شعر، ترنم کا لطف عطا کرنے والی یہ تقریریں اور تبلیغ اسلام کا ایک انوکھا اور نرالا انداز جس کے مولانا موجد تھے۔انہیں پہ ختم بھی ہو گئے۔

ایک جاپانی مستشرق پروفیسر این۔ایچ برلاس نے مولانا کی انگریزی تصنیف (کلٹیویشن آف سائنس بائی دی مسلمس) ''سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ'' کے مقدمہ میں مولانا کی خطابت کی اثر انگیزی کا ذکر یوں کیا ہے:

''مولانا صدیقی کی شخصیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ انہیں منبر سے سنیں، ان کے قدوقامت کی وجاہت اور خطابت کی قوت اثر انگیز اور مترنم آواز اور مقصد کو پیش کرنے کا نہایت سنجیدہ اچھوتا اسلوب''۔ (انگریزی سے ترجمہ)

زبان دانی:

تذکرہ نگار حضرات نے متعدد زبانوں میں خطابت کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ قدرت نے مولانا کو وسیع قوت حافظہ اخّاذ ذہن عطا فرمایا تھا، جس کی برکتوں سے وہ جس ملک میں جاتے وہاں کی چند روزہ بود و باش سے بقدر ضرورت زبان خود بخود اخذ فرما لیتے اور پھر تبلیغی ضرورت کے پیش نظر رفتہ رفتہ وہ اظہار خیال کا ذریعہ بن جاتی۔ رب قادر و قدیر جمادات کو زبان دیتا ہے۔ وہ اعلائے کلمۂ حق کے لیے اپنے نیک بندوں کو متعدد زبانوں پر قدرت کیوں نہیں عطا فرما سکتا؟

خدمات اور کارنامے:

تعلیم سے فراغت کے بعد مقامی طور پر خدمات کا آغاز تعلیم کے میدان سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی اور کوتاہی کا شدید احساس نیز تعلیمی اداروں کا ناقص نصابِ تعلیم قومی اور ملکی معیار کے تعلیمی اداروں کا فقدان متقاضی تھے کہ کوئی شخص پورے جوش و جذبہ کے ساتھ ان مسائل کا مخلصانہ حل تلاش کرے۔

نیشنل ھائی اسکول پونا:

۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۲ء تک مکمل دو سال ممبئی سے قریب مہاراشٹرا کے مشہور تاریخی شہر "پونا" سے اپنی تدریسی جدوجہد کا آغاز فرمایا۔ نیشنل ہائی اسکول پونا کے پرنسپل رہے۔ تعلیمی اصلاحات کا خاکہ مرتب فرمایا اور کام ہونے لگا۔ کیوں کہ اس اسکول کا نصابِ تعلیم جو مغربی غیر اسلامی ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم طلبہ کے لیے نامناسب ہی نہیں بلکہ مضر اخلاق بھی تھا اور یہاں کی تہذیبی اقدار سے متصادم بھی۔

مولانا کی تعلیمی اصلاحات کی کوشش کا آغاز پونا سے ہوا، مگر اس کی تکمیل ملیشیا اور افریقہ میں عظیم الشان اسلامی عربی یونیورسٹیوں کے قیام کی شکل میں ہوئی۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی مسلم سیاست میں اتار چڑھاؤ اور مسلم قوم پر اس کے برے اثرات نے ان کو مضمحل ضرور کیا مگر مایوس نہیں۔ وہ جہاں بھی گئے وہاں مسلمانوں کو دینی تعلیم کی اہمیت کا احساس دلایا۔ کتابیں لکھیں۔ نصاب تعلیم مرتب فرمایا۔ جس کا سلسلہ بیرون ہند میں آج تک جاری ہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ قومی نظریۂ تعلیم، جس کے ارتقا اور فروغ کے نتیجہ میں علی گڑھ میں "مسلم یونیورسٹی" اور پھر دہلی میں "جامعہ اسلامیہ" قائم ہوئی۔ اس نظریہ کے خشتِ اول رکھنے والے قائدین میں مولانا سر فہرست ہیں۔ مگر تاریخ میں ان کے نام کا اندراج نظر نہیں آتا۔

راقم الحروف کے اس خیال کو یوں تقویت ملتی ہے کہ ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق

صدر جمہوریۂ ہند) کا نام مولانا کے قدیم ہم سبق ساتھیوں میں آتا ہے۔ جو "جامعہ ملیہ" کے بانی بھی تھے۔

"جمعیۃ علمائے ہند" کے آغاز میں اس کے ناظم (سکریٹری) رہے۔ بلکہ اس کے بانیوں میں آپ کا نام موجود ہے۔ سپاس نامہ ممبئی میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے

۔

پروفیسر جلال الدین احمد نوری کراچی یونیورسٹی اپنے مقالہ میں رقمطراز ہیں:

"اگر یہ کہا جائے کہ عالم عرب اور مسلمانان عالم کے درمیان سیاسی، اقتصادی اور ایمانی امور روابط کے فروغ اور ترقی میں مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی سرِ فہرست نظر آتے ہیں، تو انکار نہیں کیا جاسکتا"۔

آغاز سفر:

"درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی"

اندرون ملک سفر کا آغاز ہوا تو پہلا طویل سفر ریاست بھوپال کا ہوا۔ پھر سورت، ممبئی، دمّن وغیرہ۔ بیرون ملک برما، رنگون، کے دو دورے کالج کی تعلیم کے درمیان ہی ہوئے۔ پہلا ۱۹۱۴ء اور دوسرا ۱۹۱۵ء میں۔

سفر حجاز مقدس:

پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ اتفاق سے وہاں کچھ ایسا ہوا جس نے آپ کی

دلچسپی عرب ممالک کے ساتھ بڑھادی۔

مکہ معظمہ میں قیام کے دوران شریف حسین سے ملاقات کی، اثنائے گفتگو شریف مکہ نے پوچھا کہ اگر آپ کو یہاں ہماری حکومت میں کوئی شرعی خامی نظر آتی ہوتو مطلع فرمائیں۔ مولانا نے موقع غنیمت سمجھا اور ایک مراسلہ تحریر فرما کر دوسری ملاقات میں پیش فرمایا۔ جس میں ترکی کی عثمانی خلافت کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کو ارض مقدس مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حرمت کو پامال کرنے کا جرم شرعی دلائل کے ساتھ ثابت فرمایا۔ ظاہر ہے اس کا انجام اقتدار کی ناراضگی کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا۔ مولانا کے احباب کو خطرہ تھا کہ کوئی عتاب نہ نازل ہو، مگر مولانا پورے صبر و استقامت کے ساتھ راضی بہ رضا الٰہی تھے اور وطن واپسی کے پروگرام میں تبدیلی کر کے ایک سال تک حجازِ مقدس میں قیام فرمایا۔ وہاں کے علماو مشائخ کے ساتھ افادہ اور استفادہ فرماتے رہے۔

بعض عرب نوجوانوں کو انگریزی کی تعلیم دیتے رہے۔ وہاں مقیم عرب اور غیر عرب کو "مشکوۃ" اور "جلالین" کا درس بھی دیتے رہے۔

وہاں کے باشندوں خصوصاً مدینہ منورہ کے یتیموں کی فلاح و بہبود کے کام میں دلچسپی لی اور مدینہ منورہ میں "دارالایتام" قائم فرمایا۔ اس طرح رفتہ رفتہ وہاں کے ارباب اقتدار کے دلوں میں آپ نے جگہ بنالی۔ مولانا کی انہیں خدمات کے اعتراف کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۴۶ء میں جب آپ حج ٹیکس کے خلاف وفد لے کر شاہ سعود

سے ملے تو اس نے نہ صرف یہ کہ وفد کی پذیرائی کی بلکہ حج ٹیکس معاف کرنے کا وعدہ کیا۔

مولانا نے مسلم سیاست میں حصہ ضرور لیا، مگر وہ ان کا مزاج نہ بن سکی۔ تعلیم، تبلیغ اور انسانی فلاح و بہبود ان کا اصل مشن تھا۔ چنانچہ روحانیت اور تصوف کی طرف آپ کا میلان طبع شروع سے ہی تھا۔ عمر کے ساتھ ساتھ وہ پروان چڑھتا گیا۔

تقریر اور شاعری دونوں پر یہ رنگ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ آپ کی تصنیف ''کتاب التصوف'' بھی اس کا آئینہ ہے۔

اس دور کے ہندوستانی جرائد و اخبارات میں مولانا کے مشن کی خبریں پڑھ کر آپ ان کی مخلصانہ جدوجہد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اخبار الامان دہلی	۱۹۳۶ء
الفقیہہ امرتسر	۱۹۲۹ء
خلافت ممبئی	۱۹۴۰ء
دبدبۂ سکندری رامپور	۱۹۴۵ء

تقریروں میں کبھی کبیر داس کے دوہے پڑھتے اور کبھی خود اپنا کلام۔

اے جانِ جہاں اے روحِ رواں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
میں تجھ میں ہوں گم، تو مجھ میں عیاں، بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں
کہتا ہے علیم خستہ جگر دن رات یہی با دیدۂ تر

اے جلوہ نمائے کون ومکاں بس تو ہی رہے اور میں نہ رہوں

یہ بات اس زمانے میں بڑی عجیب لگتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا کا سفر نجی اور ذاتی خرچ پر ہوتا تھا۔ اپنے ایک خط میں جو''اخبار الامان دہلی''میں شائع ہوا۔ آپ نے چین سے ''جمعیۃ علماے ہند'' کے ورکنگ سکریٹری محمد مظہر الدین کو بھیجا، لکھتے ہیں:

''نذرانے بھی میری بے پروائی و بے توجہی اور اغنیا کی طرف عدم میلان کے سبب جیسے ملتے ہیں انہیں میں ہی جانتا ہوں، بے مایہ و بے سرمایہ فقیر محض خدا کے بھروسہ پر اپنی جان کو لیے ہوئے میدان میں چل رہا ہے۔

آپ جیسے احباب نیز قارئین ''الامان'' و''وحدت'' اگر اپنے اوقاتِ خاص میں اس قدر دعا فرمائیں کہ خدائے قدّوس اپنے اس عاجز بندہ سے دہریت کدہ میں اپنے دین کی خدمت اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی توفیق بخشے اور گمراہوں کو راہ ہدایت دکھائے تو مجھ پر خاص کرم ہوگا''۔

غیر ملکی اسفار کا نامکمل خاکہ کچھ یوں ہے:

برما	۱۹۱۴ء
برما	۱۹۱۵ء

حجاز مقدس ۱۹۱۹ء

سیلون "سری لنکا"

کولمبو میں حنفی جامع مسجد کا سنگ بنیاد ۱۹۲۳ء

حجاز مقدس۔ دوسرا حج ادا فرمایا ۱۹۲۵ء ۱۹۲۴ء

برما

انڈونیشیا

ملیشیا "ملایا"

سیام "چین" ۱۹۲۷ء

ماریشش

ری یونین

مڈغاسکر ۱۹۲۹ء ۱۹۲۸ء

سیلون ۱۹۲۹ء

سنگاپور ۱۹۳۲ء ۱۹۳۱ء

سیلون

ملیشیا

ری یونین

مڈغاسکر

اس سفر میں کئی نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ سیلون میں تبلیغ کا ایک انوکھا طریقہ ایجاد فرمایا۔ جس کا نام تھا ''گرین پمفلٹ موومنت'' تحریک سبز اشتہار، اسلامی تعلیمات اور پیغام سبز رنگ کے مختصر اور چھوٹے چھوٹے سائز میں اشتہارات شائع کر کے سارے ملک میں پھیلا دیے گئے۔ سنگاپور سے ایک انگریزی اسلامی میگزین کا اجرا فرمایا۔ جس کا نام ''دی ریل اسلام'' حقیقی اسلام تجویز فرمایا، اور یہ معیاری میگزین امریکہ، برطانیہ اور افریقہ میں کافی مقبول ہوا۔ انگریز بھی شوق سے پڑھتے تھے۔ ملیشیا میں ''آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی'' قائم فرمائی۔ یہ ادارہ نہایت فعال اور سنجیدہ مسلمانوں کی جماعت ثابت ہوا۔ جس نے مقامی زبانوں کے مبلغ تیار کیے اور سارے ملک میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی۔

اسی سفر میں ماریشش پہونچے اور وہاں ایک مسلم یتیم خانہ کے قیام کی ضرورت کے پیش نظر ''حلقہ قادریہ اشاعت اسلام'' قائم کر کے اس کی انتظامیہ کو اس کام پر لگا دیا۔

حجاز مقدس ۱۹۳۳ء

سیلون۔ سری لنکا ۱۹۳۳ء

حجاز مقدس کے اس سفر میں مدینہ منورہ میں ''دار الیتامیٰ'' قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ ایک نہایت اہم تاریخی کام اس سفر میں یہ ہوا کہ ''نہر زرقاء'' جس کو حضرت امیر معاویہ کے عہد حکومت میں مروان نے بنوایا تھا۔ مدینہ منورہ کی ایک قدیم تاریخی

نہر جو عرصہ سے بند پڑی تھی، اس کی صفائی اور مرمت کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا اور اخراجات کی ذمہ داری خود قبول فرمائی۔ تاکہ اہل مدینہ اس نہر سے سیراب ہوں اور ان کی کھیتیاں سرسبز و شاداب رہیں۔

اس سفر میں کولمبو کے قریب شہر مہیر یگاما میں ایک دینی درس گاہ قائم فرمائی۔ جس کا نام ''غفوریہ عربی اسکول'' رکھا۔ نیز سیلون میں ''مسلم مشنری سوسائٹی'' جو پہلے سے وہاں کام کررہی تھی، اس کو مزید فعّال بنانے کے لیے جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم فرمائیں تاکہ علاقہ کے لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اور علم دین گھر گھر پہونچ جائے

کولمبو میں مولانا کے ایک نہایت وفادار کارکن مسٹر جے ماجد نے ایک اسلامی میگزین ''اسٹار آف اسلام'' شائع کیا۔ جس نے وہاں اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور عوام میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

ٹیگوری فتنہ کا مقابلہ:

۱۹۲۷ء برما، رنگون کے سفر کا محرک رابندر ناتھ ٹیگور بنا، جو مشہور ڈرامہ نگار، فلسفی اور شاعر انگریزی اور بنگلہ ادب میں ایک خاص اسلوب کا مالک تھا، لیکن اندر سے نہایت متعصب اور دشمن اسلام تھا۔ برما میں اس وقت بنگالی نسل کے ہندو خاصی تعداد میں تھے اور خوشحال تھے۔ رابندر ناتھ ٹیگور ان کا مہمان تھا۔ اس نے اپنے لیکچر میں انڈونیشیا کے مسلمانوں کو اسلام چھوڑ کر بت پرستی اور ہندو مت قبول کرنے کی

دعوت دی کہ تمہارے آباواجداد کا دھرم یہی تھا۔ یہ مسلمانوں کوارتداد کی کھلی ہوئی دعوت تھی۔ جس سے مسلمان نہایت برافروختہ ہوئے۔ مگر ٹیگور جیسے نام نہاد عظیم فلسفی کو چیلنج کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

مولانا نے اس کے خطبات میں اٹھائے گئے تمام باطل اعتراضات کا نہایت مدلل تاریخ وفلسفہ کے حوالوں سے بھرپور جواب دے کر نہ صرف اس کی بولتی بند کردی بلکہ انڈونیشیائی مسلمانوں کا اسلام قوی اور ایمان تازہ کردیا۔ مولانا کی تحریک پر انڈونیشیا کے علما کی جماعت ''نھضۃ العلما'' نے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ جو ملک کی پہلی تاریخی کامیاب ترین مؤتمر ثابت ہوئی۔ وہاں کی ایک قدیم اور عام مسلمانوں کی تنظیم جس کا نام ''الجمعیۃ المحمدیہ'' تھا کو تازہ دم کرکے عیسائیت اور قادیانیت وغیرہ گمراہ مذاہب سے حفاظت کی مکمل منصوبہ بندی کرکے انڈونیشیا کو مستقبل کے خطرات سے محفوظ اسلام کا قلعہ بنادیا۔ جہاں اب تک بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان اس کے برگ وبار سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اپنے محسن کا ذکر نہایت عقیدت واحترام سے دعا گویانہ کرتے رہتے ہیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

سیاہ افریقہ میں

اسلام کا اجالا

ساؤتھ افریقہ، زنجبار، موزمبیق، کینیا

[۱۹۳۵ء، ۱۹۳۴ء]

اسلامی تاریخ میں ''افریقہ'' اپنی گوناگوں خصوصیات اور بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ جب یورپ کی طاقتیں افریقہ پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے باہم نبرد آزما ہونے لگیں، تو اس سے اسلام کے لیے عدم استحکام کی صورت پیدا ہوئی۔ اٹلی، فرانس، جرمنی، ڈچ، برطانیہ، پرتگیز ہر ایک افریقہ پر اپنا تسلط چاہتی تھی۔ وہاں ان کے مادی مفادات تھے۔ سیاہ فاہ نسل کے افریقی مسلمان راسخ العقیدہ اور صبر واستقامت کے خوگر تھے۔ عرب تہذیب اور دینی اقدار کی جڑیں ان میں گہری تھیں۔ مغربی استعمار نے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ اپنا ایمان بچالے جانے میں وہ کامیاب رہے۔

اسلام غلامی اور غلاموں کی خرید وفروخت کو یکلخت مٹادینے پر کمربستہ تھا، مگر استعماری قوتیں اور مغربی اقوام اپنے مادی مفاد اور معاشی استحصال کی خاطر اس کے فروغ میں کوشاں تھیں۔

غلاموں کی خرید وفروخت کی لعنت کا یک مثبت پہلو اسلام کے حق میں یہ نکلا کہ افریقی مسلم غلام جہاں بھی فروخت کیے گئے یا خریدے گئے ان کے ساتھ ساتھ اسلام چلتا رہا۔ ان کا انگریز آقا جب ظلم ڈھاتا اور جبر کرتا تو بے ساختہ ان کے ہونٹوں پر اللہ کا نام آتا۔ پیروں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں زنجیریں تھیں، مگر ضمیر آزاد اور قلب

ونظر نورِ توحید سے روشن۔

توحید متاع است کہ بردار فروشند

گل نیست کہ در کوچہ و بازار فروشند

پھر یہ جذبہَ استقامت فروغ پا کر تبلیغِ اسلام کی راہ ہموار کرتا اور دوسروں کے لیے اسلام میں کشش پیدا کرتا رہا۔

مولانا افریقہ کے ملکوں میں آتے جاتے رہے۔ زیادہ قیام ماریشش میں ہوتا۔ وہاں پورا جزیرہ مولانا کی خدمات سے مسخر ہوتا گیا۔ گویا کہ آپ وہاں کے روحانی رہنما تسلیم کر لیے گئے۔ جس کے اثرات پڑوسی ملکوں خصوصاً ساؤتھ افریقہ تک ہوئے۔

پہلی مرتبہ ۱۹۳۴ء میں مولانا ساؤتھ افریقہ آئے۔ پروگرام دوسرے ملکوں کا بھی تھا۔ اس لیے قیام مختصر رہا۔ ڈربن میں مسٹر محمد مکی نے جو میرٹھ میں کچھ عرصہ رہ کر مولانا سے استفادہ کر چکے تھے، اور تبلیغِ دین کا جذبہ بھی رکھتے تھے واپس آکر اشاعتِ اسلام کی خاطر ایک اشاعتی ادارہ ''مکی پبلی کیشن'' کے نام سے قائم کیا۔ خود اپنا پریس خریدا۔ اِسی ادارہ کے افتتاح کے لیے مولانا کو دعوت دی۔

مولانا نے افتتاح کے موقع پر ایک اسلامی میگزین اور مختلف عنوانات کے دینی پمفلٹ شائع کرنے کا منصوبہ دیا۔ ڈربن کی جامع مسجد میں اردو میں تقریریں فرمائیں۔ پریٹوریا میں کاٹھیاواڑی میمن حضرات کے یہاں پرائیویٹ جلسے بھی

ہوئے۔ ڈچ حکومت کا دور تھا۔ نسلی امتیاز کا قانون سخت تھا۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے اور ہندوستانی نسل کے ہی تھے۔ دینی تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ یہ ضرورتیں ایسی تھیں، جن کے لیے کافی وقت چاہیے تھا، اور مولانا کے پروگرام میں فی الحال گنجائش نہ تھی۔

موزمبیق:

ساحل بحرعرب پر واقع یہ افریقی ملک قدرتی ذخائر سے مالا مال ہے۔ ''لونزو مارگ'' (مپوٹو) دارالسلطنت ہے، نہایت پُرفضا عمدہ آب وہوا۔

پرتگالیوں کی حکومت تھی۔ مقامی افریقی نسل جن میں مسلم بھی تھے اور عیسائی بھی۔ اکثر لامذہب قبائل اور روایتی طرز زندگی میں گرفتار۔ یہاں اسلام، تاریخ کے مطابق عرب تاجروں اور سیاحوں کے ساتھ آچکا تھا۔ متعارف تھا۔ ''مپوٹو'' میں عظیم الشان مسجد میمن حضرات کی بنوائی ہوئی موجود تھی۔ مولانا کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا احمد مختار صدیقی اس کے محترم خطیب تھے۔ مقامی افریقی جن میں مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی دیہاتوں میں خستہ حال اور غربت وافلاس کا شکار تھے۔ مولانا نے ان کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ ان کے خفتہ جذبات کو بیدار کیا۔ صبر واستقامت کی دعائیں فرمائیں۔ شہروں میں جانے اور چھوٹی موٹی تجارت شروع کرنے کا مشورہ دیا، کاٹھیاواڑی میمن تاجروں سے ان کی مالی مدد کرنے اور تجارت میں لگانے کی اپیل کی۔

مپوٹو کے قریب ایک گاؤں میں راقم الحروف کو جانے کا اتفاق ہوا۔ سڑک سے اتر کر کچے راستہ پر ایک ضعیف العمر بزرگ نظر آئے اور سلام ودعا کے بعد مجھ سے وطن پوچھا۔ ہندوستان کا نام سنتے ہی ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ فوراً مولانا عبدالعلیم صدیقی کا نام لے کر پوچھا جانتے ہو؟ اثبات میں جواب پا کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک درخت کے قریب لا کر کھڑے ہو گئے۔ پھر کچھ عربی کچھ انگریزی میں بتاتے رہے کہ وہ یہاں تنہا آئے، اور اس درخت کے نیچے کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ جس کی آواز گھروں میں سنی جا رہی تھی۔ لوگ، مرد، بچے، عورتیں نکل نکل کر یہاں جمع ہونے لگے۔ پھر انہوں نے وعظ شروع کیا۔ پھر آخرت پر ایمان کا مفہوم سمجھایا۔ بہت سے مسلمان رونے لگے۔ ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔ جو مسلمان نہیں تھے کلمہ پڑھا۔

ع تراعاشق شود پیدا و لے مجنوں نہ خواہد شد

زنجبار ۱۹۳۵ء

ایسٹ افریقہ میں ''زنجبار'' بحر عرب کے ساحل پر ایک خود مختار جزیرہ ہے۔ جس کا حکمراں مسلمان ہوا کرتا تھا۔ زبان عربی تھی۔ اسلامی عربی تہذیب اپنی پوری خصوصیت کے ساتھ موجود تھی۔ سلطان آف زنجبار نے مولانا کو دعوت دے کر بلایا۔ شاہانہ استقبال کیا۔ مولانا پہلے مسلم لیڈر اور دینی رہنما تھے جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔ مولانا نے سلطان کے ساتھ اپنی خصوصی میٹنگ میں مسلم قوم کے مسائل، تبلیغ کے

راستہ کی رکاوٹیں، مغرب کی استبدادی قوتوں کے فروغ اور قادیانیت کے افریقی ممالک میں نفوذ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی، اور اپنے آئندہ کے منصوبوں سے سلطان کو آگاہ کیا۔

انڈوچائنا:

ملایا، انڈوچائنا، چین

[۱۹۳۶ء، ۱۹۳۵ء]

سنگاپور میں ہندوستانی نسل اور چینی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ مسلم اقلیت غفلت کا شکار، دین سے بے خبر، مادہ پرستی اور کمیونزم کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں مولانا نے سنگاپور کا انتخاب تبلیغی سرگرمیوں کے لیے غالباً یوں فرمایا کہ وہاں سے انڈونیشیا، ملایا، چین تک پیغام رسانی آسان ہوگی۔ چونکہ ان ممالک پر کمیونزم نیز قادیانیت کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ جس سے اسلام پسندوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ انڈونیشیا کے کچھ جزائر عیسائیت کی زد میں آچکے تھے۔

سنگاپور میں پہلا کام نشر واشاعت کا شروع فرمایا۔ وہاں کی تاریخ میں مسلمانوں کا پہلا جریدہ "دی جینوین اسلام" "اصلی اسلام" یہ نام غالباً قادیانی لٹریچر سے امتیاز کے لیے تھا۔

چونکہ قادیانیت اپنے آپ کو اسلام کے پردے میں چھپا کر پیش کر رہی تھی۔ ان کے لٹریچر پر بھی اسلام کا لیبل ہوتا تھا۔ اس لیے جہاں ان کا لٹریچر پہلے سے موجود

تھا وہاں مولانا نے ''دی جینوین دی رِیل'' کا امتیاز رکھا۔ تا کہ قادیانیت کو اصلی حقیقی اسلام نہ سمجھا جائے۔

یہ میگزین انگریزی میں تھا۔ اور ماہنامہ تھا۔ معیار اتنا بلند کہ صحافت کی دنیا میں اسلام کا نمائندہ بن گیا۔ عوام متاثر ہوئے، اور خوابِ غفلت سے بیدار ہونے لگے۔ بحمدہٖ تعالیٰ رفتہ رفتہ لوگ گمراہیوں سے تائب ہوتے گئے۔ اسلام کی روشنی سے ان کے وجود جگمگانے لگے۔ سنگاپور سے انڈو چائنا کا ایک مختصر دورہ مولانا نے جاپان جاتے ہوئے فرمایا۔ اپنے ایک خط میں جو اخبار ''الامان دہلی'' کے شمارہ جون ۱۹۳۶ء میں شائع بھی ہوا۔ لکھتے ہیں:

''۲۲ر اپریل ۱۹۳۶ء کو فرانسیسی جہاز سے راہی جاپان ہوا۔

۲۴ر کو سہ پہر کو جہاز بندرگاہ سیگون پر لنگر انداز ہوا۔ یہ علاقہ انڈو چائنا کا ایک بڑا بندرگاہ اور فرانسیسی مستعمرہ ہے۔ شہر نہایت صاف ستھرا اور بالکل پیرس کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ اس علاقہ میں اب تک کوئی خدا کا منادی اسلام کی آواز بلند کرنے کے لیے نہیں آیا۔ پہلا موقع ہے کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ کل ایک جلسہ عام میں انگریزی تقریر کروں گا۔ جس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں ہوگا، پرسوں پھر ایک تقریر ہوگی، آج دوپہر صرف عربی زبان میں تقریر ہے۔ عرب حضرات کے لیے اور شب کو صرف اردو میں ہندی، پنجابی اور پیشاوری حضرات کی خاطر۔

مدراسی مسلمانوں کو تبلیغ کی طرف روزانہ ایک گھنٹہ شب میں تقریر کرتے ہوئے جس کا ترجمہ تمل زبان میں ہوتا ہے توجہ دلا رہا ہوں''۔

جاپان ۱۹۳۶ء

جاپان کا دورہ اگرچہ مختصر تھا۔ مگر نہایت مؤثر۔ وہاں کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کو جو بدھ مذہب کو آباواجداد کے دین کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھی۔ مولانا کی شخصیت میں نئی کشش نظر آئی، اور اسلام پر ان کے عقلی اور سائنسی دلائل نے سوچ کی نئی راہ دکھائی۔

چنانچہ جاپان کے مشہور شہر ٹوکیو میں ''دی کلٹیویشن آف سائنس بائی دی مسلمس''، ''سائنسی ایجادات میں مسلمانوں کا حصہ'' کے عنوان پر لکچر دیا۔ جس میں مولانا نے تاریخی حقائق کو اپنے مخصوص اور اثر انگیز اسلوب کے ساتھ اس طرح پیش کیا کہ جاپان کا سنجیدہ ذہن اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرنے لگا۔

تقریر کے آغاز میں اہتمام کرنے والی سوسائٹی ''دی اورینٹل کلچرل سوسائٹی ٹوکیو'' کا شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ کہہ کر سب کو چونکا دیا کہ اس پلیٹ فارم سے میری تقریر اسلام کے مبلغ یا مسلمانوں کے مسائل کے وکیل کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش روے کرنا ہے کہ مسلم اسکالرس نے کیا واقعی سائنس کو کچھ دیا ہے؟

اس کے بعد دوسرے بڑے شہروں میں اوسا، کا کروی، راوا، کوبی، میں بھی

تقاریر کا سلسلہ چلتا رہا۔ جاپان میں اللہ نے جن لوگوں کے دل اسلام کی طرف مائل کیے ان میں اکثریت تعلیم یافتہ باشعور سنجیدہ اور مہذب لوگ تھے۔ ''نگویا'' میں نئی مسجد کی تعمیر ہوئی۔ مولانا نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ نہایت دلکش عمارت ''نگویا موسک'' کے نام سے سارے علاقہ میں مشہور ہوئی۔ اور آج تک مرکز اسلام کے طور پر موجود ہے۔ اللہ کے دین کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جاپان کے پُرجوش مسلم نوجوانوں کی ایک جماعت کو ''الازہر'' یونیورسٹی میں ''الداعی'' کی ٹریننگ کے لیے جانے پر آمادہ کیا اور اس کے انتظامات فرمائے۔

انڈوچائنا میں تبلیغی کام کا مختصر تذکرہ مولانا نے مظہر الدین صاحب کو لکھے ہوئے خط میں یوں بیان کیا ہے:

''شاندار جلوس کے ساتھ مسجد تک پہونچا۔ یہ مسجد اول ۱۸۶۷ء میں مسلمانوں نے تعمیر کی۔ اور اس کفرستان میں یہ پہلا خدا کا گھر ہے۔ عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس لیے ۱۹۲۴ء میں اس کی جدید تعمیر کا آغاز ہوا۔ مجھے اس کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے ستمبر ۱۹۳۴ء میں بلایا گیا تھا۔ مگر میں جنوب افریقہ کے اشد ضروری کام پر چلا گیا تھا پھر ۱۹۳۵ء کے وسط میں یاد کیا گیا۔ مگر اپنی اور اہلیہ کی علالت کے باعث نہ آسکا۔ اب جاپان جاتے ہوئے ان حضرات کا اصرار رہا۔ پانچ دن کے لیے یہاں ٹھہرا کہ نئی بنائی مسجد میں تقریر کروں''۔

اس خط سے معلوم ہوا کہ صرف پانچ دن کے لیے وہاں قیام رہا۔ ان پانچ دنوں میں مولانا نے تنہا کتنا کام کیا۔ اس کا ذکر اسی خط کے آخری حصہ میں یوں کیا ہے

بمنہٖ تعالیٰ اس مدت مختصرہ میں حسب ذیل کام ہوئے:

۱- ایک مسلم مشنری سوسائٹی قائم کی گئی۔ جو آئندہ تبلیغ کے کام کو اس علاقہ انڈوچائنا میں جاری کرے۔

۲- ۲۳ر مرد عورت مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جس میں ایک تمل ہندو، ۲۲ر انم قوم کے افراد ہیں۔ جن کا دھرم بدھ مت تھا"۔

والحمد للہ الیٰ ذلک جو کام ایک پوری جماعت مہینوں میں نہیں کرسکتی مولانا نے تن تنہا ۵ دنوں میں کرلیا۔ یہ ان پر اللہ اور اس کے پیارے رسول کا بے پایاں کرم تھا۔

حجاز مقدس

[سفر حج ۱۹۳۷ء]

حج اور زیارتِ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد مکہ معظّمہ میں شاہ ابن سعود سے مل کر نومسلم انگریزوں کو حج کے موقع جو دشواریاں پیش آئیں ان کی شکایت درج کرائی اور آئندہ اس کے ازالہ کا مطالبہ فرمایا۔

ماریشش

[۱۹۳۹ء، ۱۹۳۸ء]

دس سال قبل ماریشش کا ایک دورہ ہو چکا تھا۔ دسمبر ۱۹۲۸ء میں پہلی مرتبہ سیٹھ عبدالرزاق محمد صاحب جو اس وقت پورٹ لوئس کے میئر بھی تھے اور بڑے تاجر بھی کی مسلسل کوشش اور دعوت پر مولانا صاحب ماریشش رونق افروز ہوئے۔ جس کے بعد اِس جزیرہ کی کایا پلٹ گئی۔ کولمبو سے بحری جہاز کے ذریعہ ''پورٹ لوئس'' پہونچے۔ ہر گاؤں اور قصبہ میں تقریریں فرمائیں۔ ہزاروں کی تعداد میں توبہ اور بیعت وارشاد سے عوام فیضیاب ہوئے۔ اس زمانے میں قادیانیت کا فتنہ سر اٹھا رہا تھا۔ یہاں کے بھولے بھالے مسلمان کشمکش میں تھے۔ مولانا کے حکیمانہ اور عارفانہ مذاکرات نے ہمیشہ کے لیے اس گمراہ فرقہ کی جڑیں کاٹ دیں۔ اور لوگوں کا ایمان محفوظ ہو گیا۔

''اللہ کی توحید'' کے عنوان پر پیر محمد کے بنگلہ پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ عوام کے علاوہ خواص کی بڑی تعداد اس عنوان پر خطاب سننے کے لیے مدعو کی گئی تھی۔ ٹاؤن ایریا بورڈ کے پریسیڈینٹ مسٹر الفریڈ گل کے سی فرانسیسی نے صدارت کی لکچر انگریزی میں تھا، اور انگریزوں کی رائے کے مطابق توحید کا حقیقی معنی پہلی مرتبہ اس خوبی سے واضح کیا گیا کہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ ماریشش کے چپے چپے پر مولانا کی عقیدت ومحبت کا علم لہرانے لگا۔ تقریروں میں جیسا مجمع ہوتا حاضرین کے ذوق اور ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔ گاؤں میں جاتے اور حاضرین ہندوستانی نسل کے ہوتے تو کبھی بھوج پوری زبان میں اصلاحی وعظ فرماتے۔

خواتین کی اصلاح پر بھی خاص توجہ رہی۔

ماریشش کادوسرا دورہ

[۱۹۳۲ء میں]

۲۶ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو انڈونیشیا سے براہِ راست وارد ماریشش ہوئے۔اس وقت یہاں کے مسلمان تاجروں اور قومی رہنماؤں کو فائنانشل کمشنر کے پاس کسی قومی مسئلہ کے حل کے لیے وفد لے جانا تھا اور اس کی قیادت مولانا کو کرنی تھی۔ چنانچہ مولانا نے نہایت حسنِ تدبیر سے اس معاملہ کو حکومت تک پہونچایا۔جس کا فائدہ مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا کہ جب مسلم یتیم خانہ قائم ہوا تو حکومت کی طرف سے بھی مالی امداد ملی۔ اس سے فارغ ہو کر مولانا نے تبلیغی ملاقاتیں اور دورے کیے۔محرم کا مہینہ آ گیا۔پہلے عشرہ محرم میں دس مسلسل تقریروں کا سلسلہ شروع فرمایا۔جو روزانہ مقامی ریڈیو پر نشر ہوتی تھیں۔اور مسلم غیر مسلم سبھی بڑے ذوق وشوق سے بلا ناغہ یہ خطاب سنتے تھے۔ اور واقعاتِ کربلا سے سبق اور عبرت حاصل کرتے تھے۔اس دورہ کی رپورٹ اخبار ”الفقیہ امرتسر“ نے اپنی ۱۴ر مارچ ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع کی۔جس کا عنوان تھا:

”جزیرہ ماریشش میں آفتاب اسلام کی ضیاباریاں،ایک انگریز جہاز راں افسر نے اسلام قبول کیا“۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی متوطن میرٹھ ”ہندوستان“

کے جزیرہ ماریشش میں تشریف لانے سے تمام جزیرہ میں عجیب وغریب برکات کا نزول ہورہا ہے۔ تمام جزیرے کی تنظیم کی جاچکی ہے، اور تمام مسلمانانِ جزیرہ کی ایک متحدہ جمعیۃ بنالی گئی ہے۔ ہر مسجد نمازیوں سے معمور ہوگئی ہے۔ ایسی بستیوں میں جہاں نہ کوئی نمازی تھا، نہ نماز کی جگہ، مسجدیں تعمیر ہورہی ہیں۔ غیر مسلمین بھی جوق در جوق حضرت مولانا کے پُراثر مواعظ کو سننے کے لیے آتے اور جن کی قسمت میں ہدایت ہے وہ اسلام لاتے۔ یوں تو اس وقت تک بہت سے ہندو، عیسائی، مرد، عورت مولانا کے فیضِ تقریر سے متاثر ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام بن چکے ہیں۔ لیکن حال ہی میں ۶ رجنوری ۱۹۳۳ء کی شام کو یونین لائن کے جہاز کا ایک انگریز افسر جہاز کے بندرگاہ پر لنگرانداز ہونے کے سبب مسجد جامع پورٹ لوئس کو دیکھنے کے لیے مسجد مذکور میں آیا اور اتفاقاً حضرت مولانا کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مختصر گفتگو کے بعد حضرت مولانا نے باتوں ہی باتوں میں اس قدر دلکش انداز میں اسلام کی صداقت اور سادگی کو اس کے سامنے پیش کیا کہ اس کو اسلام قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا"۔ [الفقیہ امرتسر]

[۱۹۳۹ء میں]

اس دفعہ دو نہایت اہم کام انجام پائے۔ایک یہ کہ آپ نے مطالبہ کیا کہ ''مسلم پرسنل لا'' نکاح، طلاق، میراث کا شرعی قانون مسلمانوں کے لیے نافذ العمل ہو اور حکومت اس کا انتظام کرے۔مولانا نے اس کا مکمل خاکہ تیار کر کے حکومت سے مذاکرات کیے اور درخواست منظور ہو گئی۔اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے لیے اوقاف کا اسلامی قانون بھی ان کی مساجد و دینی اداروں کے حق میں منظور کروایا۔

حسن تقریر:

مولانا نے دعوت و تبلیغ کی خاطر تقریروں سے بڑا کام لیا۔ایک پوری جماعت کا کام تنہا کرنے میں یہ سب سے بڑا آلہ کار ثابت ہوئیں۔قدرت کا بڑا انعام تھا، لوگ باگ اسے فن اور ناموری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔مولانا نے اس عطیۂ الٰہی کا بالکل صحیح استعمال کرتے ہوئے اسے دین اسلام کی تبلیغ کے لیے استعمال فرمایا۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی میں ان کی تقریروں کے باضابطہ شواہد ملتے ہیں۔یہ زبانیں آپ نے باضابطہ سیکھی تھیں۔

چنانچہ فارسی تقریر کے لیے ایک شاہد حضرت مولانا محمد اطہر نعیمی ''جامعہ نعیمیہ کراچی'' میں مدرس ہیں۔حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مرادآبادی علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔اپنے مقالہ میں رقمطراز ہیں:

''ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے۔آرام باغ میں ان کے

اعزاز میں جلسہ ہوا۔اس میں حضرت مولانا نے برجستہ فارسی میں اس انداز میں تقریر فرمائی تھی ، جس طرح اہلِ زبان تقریر کرتے ہیں''۔

عربی میں تقریر کا ذکر مولانا نے خود بھی اپنے مراسلہ میں فرمایا ہے، اور اہلِ عرب بھی شاہد ہیں۔انگریزی تقریروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ساؤتھ افریقہ کے ایک اسکالر پروفیسر آیس محمد لکچرار''کیپ ٹاؤن یونیورسٹی''جنہوں نے حال ہی میں مولانا پر انگریزی میں ایک سو پینتالیس ۱۴۵ صفحات پر مشتمل کتاب''دی رووِنگ امبیسڈر آف پیس''مرتب کی ہے، لکھتے ہیں:

''مولانا پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر نوٹس کی مدد سے کبھی نہیں کرتے ،قرآن وحدیث سے برجستہ حوالے دے کر دلیل قائم کرتے ہیں۔بیجا جوش یا شور سے گریز کرتے ہیں''۔

تصنع اور تکلف سے کوسوں دور ،انگریزی معیاری بولتے، اسلوب ان کا ذاتی ہوتا، کسی کی نقل بھی نہ کرتے ،آواز میں اُتار چڑھاؤ، مضمون کے مطابق جذباتی ہونے کے باوجود جسم کو حرکت نہ دیتے۔سارا دباؤ قلب وروح کی طرف رہتا۔سامعین کبھی اُکتاہٹ کا شکار نہ ہوتے، کسی کا مذاق نہ اڑاتے تنقید اور طنز بھی نہایت خلوص اور سنجیدگی سے کرتے ،کبھی کسی کو ناگواری کا احساس نہ ہونے دیتے، بلکہ اس کے خفتہ ضمیر کو بیدار کر کے دوبارہ سوچنے اور اپنا خیال تبدیل

کرنے کا موقع دیتے۔ [انگریزی سے ملخص ترجمہ]

بالکل یہی معاملہ اردو تقریروں کا بھی ہے۔ جو راقم الحروف نے کیسٹ کی مدد سے سنیں۔ بار بار سننے کو جی چاہتا ہے۔ انگریزی تقریریں کیسٹ کی مدد سے لکھی گئیں، اور ساؤتھ افریقہ میں دواداروں نے شائع کیں، جو عوام وخواص میں کافی مقبول ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''ڈائی منشن آف اسلام'' کے نام سے دو جلدوں میں ''رضا اکیڈمی ڈربن'' نے شائع کیا ہے۔ یہ وہ خطبات ہیں، جن کا ریکارڈ دستیاب ہوا۔ اور جو تقریریں ریکارڈ نہیں کی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

تقریروں کی ریکارڈنگ:

اس زمانہ میں آج کی طرح ریکارڈنگ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے مولانا کے بہت سے علمی جواہر پاروں سے ہم محروم ہیں۔

۱۹۵۲ء میں ساؤتھ افریقہ کے دورہ کے موقع پر مولانا کے ایک نہایت معتقد مرید میمن تاجر جناب حاجی ابراہیم ناز محمد صاحب مرحوم نے ریکارڈنگ کی قدیم اور کمیاب ٹکنک ''وائر'' کے ذریعہ بعض اردو اور انگریزی تقریروں کی ریکارڈنگ کی جو بعد میں ٹیپ کیسٹس پر منتقل ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ان کی کاپیاں ہر جگہ ملنے لگیں، اردو میں کی ہوئی ایک تقریر کا مختصر اقتباس جو ٹیپ سے نقل کی گئی ملاحظہ فرمائیں:

''انسانیت کی تقسیم کا ایک اصول ہے۔ وہ اصول یاد رکھئے۔ اصول کیا ہے؟ ایک تو انسان وہ ہے، جو کہتا ہے کہ میں جانوں اور میری

زندگی جانے، جس طرح میں چاہوں اپنی زندگی کو چلاؤں۔ سمجھتے جایئے انسانیت کی تقسیم۔ ایک انسان وہ ہے، جو سمجھتا ہے میں آدمی ہوں، اور مجھے عقل ہے، مجھے شعور ہے، مجھے کسی سے کوئی واسطہ نہیں، کسی سے کوئی تعلق نہیں، میں اپنا مالک ہوں، جس طریقے سے چاہوں میں اپنی زندگی کو چلاؤں، جو چاہوں سو کھاؤں، جو چاہوں سو پہنوں، جب چاہوں تو ہنسوں، کسی سے دوستی کرنا چاہوں تو دوستی کروں، کسی سے دشمنی کرنا چاہوں تو دشمنی کروں، جو قانون میں اپنے لیے بناؤں گا، اس قانون پر چلنے کے لیے میں آزاد، مجھے کسی سے واسطہ نہیں، ہم بحیثیت انسان کے اپنے لیے قانون بنانے کا خود حق رکھتے ہیں، کوئی ہمارے اوپر ایسی طاقت نہیں جس کی ماتحتی کے اندر ہم رہیں، اور اس کے بنائے ہوئے قانون پر ہم چلیں''۔

یہ تقریر ساؤتھ افریقہ کے مشہور شہر ''ڈربن'' کی جامع مسجد میں ہوئی۔ اس کا عنوان ''انسانیت کا مرتبہ'' تھا۔ ساؤتھ افریقہ میں اس وقت کے سیاسی نظام رنگ ونسل کے امتیاز، کالے گورے کے فرق کے پس منظر میں مولانا کا یہ لکچر چند قسطوں پر مشتمل تھا۔ جس سے نسلی امتیاز کے قانون کا غیر اسلامی وغیر انسانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اردو تقریروں کے دوران مثنوی مولانا روم، امام احمد رضا کی نعت، کبھی اپنا

کلام اور کبھی والدگرامی مولانا عبدالحکیم جوشؔ کا کلام نہایت کیف وسرور کے ساتھ پڑھتے۔ جس سے سماں بندھ جاتا۔ سارا ماحول رنگ ونور میں نہا جاتا۔ عشقِ رسالت کی جس کیفیت سے مولانا سرشار رہتے، اس کی اثر انگریزی ساحرانہ طور پر سامعین کو اپنی گرفت میں لے لیتی اور قلوب کا تزکیہ کردیتی۔

ساؤتھ افریقہ:

''جنوبی افریقہ'' افریقۂ جنوب میں سب سے زیادہ خوشحال اور قدرتی اور مادی وسائل سے مالامال ہونے کی وجہ سے یورپ کے مادہ پرستوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ استعماری طاقتوں کی باہمی کشمکش کی وجہ سے زندگی میں ٹھہراؤ نہ تھا۔ یہاں کے اصلی باشندے ''سیاہ فام'' تعداد میں کافی ہونے کے باوجود غربت وافلاس، جہالت وسفاہت کے شکار جنگلوں میں نہایت پسماندگی کی زندگی گزارتے تھے۔ ان کا کوئی دین ومذہب نہ تھا۔ خودساختہ قبائلی رسوم کے پابند تھے۔ ۱۹۵۲ء میں مولانا عالمی دورہ مکمل فرماکر ساؤتھ افریقہ تشریف لائے۔

یہاں کے دینی، سیاسی اور معاشرتی مسائل پر پوری توجہ فرمائی۔ یہاں مقیم مسلمانوں کو منظم فرمایا۔ دینی تعلیم کی طرف ان کی توجہ مبذول فرمائی، اور ساتھ ہی ساتھ مولانا کی بصیرت نے یہاں کے مستقبل کا اندازہ لگالیا۔ مقامی سیاہ فام افریقیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تاکید فرمائی۔ ایک تقریر میں ہندوستانی مسلمانوں کو مخاطب فرماتے ہوئے سخت تنبیہ کی، فرمایا:

''جس طرح تم افریقیوں کو ملازم رکھتے ہو، اور اپنی دکانوں میں گھروں میں کام کرواتے ہو، انہیں سکھاتے ہو کہ کپڑے اور برتن اس طرح صاف کرو۔اس کے ساتھ ہی اگر تم انہیں اسلام کی باتیں بھی سکھاتے۔غسل اور وضو کا اسلامی طریقہ بتاتے، ان کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے، ان کی مدد کرتے، ان کے دکھ درد میں کام آتے، تو یہ سب اسلام میں داخل ہو جاتے، تمہارے بھائی اور دوست بن جاتے، مظلوم کی مدد کرو گے تو اللہ کی مدد آئے گی''۔

(پریٹوریا کی ایک تقریر کا مفہوم)۔

اب ملک آزاد ہو جانے اور سیاہ فام افریقیوں کے ہاتھ میں عنانِ حکومت آجانے کے بعد لوگ مولانا کے اس ارشاد کو یاد کرتے ہیں، اور کفِ افسوس ملتے ہیں کہ کاش ہم نے مولانا کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو اس ملک پر اسلام کو غلبہ ہو گیا ہوتا۔

ڈربن، پریٹوریا، کیپ ٹاؤن کے شہروں میں قیام زیادہ رہا۔مگر درمیان میں دوسرے چھوٹے شہروں میرزبرگ، لیڈی اسمتھ، نیوکاسل، وغیرہ کا بھی دورہ فرماتے رہے۔ہر جگہ رشد و ہدایت کی شمع روشن ہوتی رہی۔

اس دفعہ آپ کا قیام ساؤتھ افریقہ میں چھ ماہ تک رہا۔ہزاروں گمراہوں کو راہِ ہدایت ملی، اسلام سے جو دور تھے وہ اسلام کے قریب آئے، جو دشمن تھے اگر دوست نہ بن سکے تو ان کے دشمنی میں کمی آگئی۔نہایت اہم کارنامے جو اس آخری

سفر میں انجام دیئے ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

''الف'' ڈربن میں اپنے نہایت معتمد شاگرد اور انگریزی قلم کار تبلیغ اسلام کے کاموں میں سرگرم مسٹر محمد مکی مرحوم کی ادارت میں انگریزی ماہنامہ ''دی مسلم ڈائجسٹ'' کا اجرا فرمایا۔ جو ستر سال تک مسلسل جاری رہا، اور سارے یوروپ، امریکہ، افریقہ میں بڑی مقبولیت کے ساتھ بڑھتا رہا۔ مولانا کے پیغام، ان کی چلائی ہوئی تمام تحریکوں کی پوری نمائندگی کرتا رہا۔ اور اسلام دشمن طاقتوں کے ساتھ محاذ آرائی میں پیش پیش رہا۔

رمضان میں ایک خصوصی نمبر ''رمضان اینول'' شائع کرتا۔ ہر شمارہ کے سرورق کی پیشانی پر بطورِ بانی کے حضرت مولانا کا نام اس کی زینت بنا رہتا۔ مولانا کے بعد بھی یادگار کے طور پر رسالہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ مکی صاحب کے انتقال کے بعد اب یہ رسالہ بند ہو گیا ہے۔

''ب'' ساؤتھ افریقہ کے سرکاری اسکولوں میں مسلمانوں کے لیے دینی تعلیم کی سہولت فراہم کرنے کے لیے آپ نے ''ایجوکیشن منسٹری'' سے درخواست کی۔ منسٹر کے ساتھ گفتگو کی۔ نصاب تعلیم کا خاکہ مرتب فرما کر پیش کیا۔ آخر کار منظوری حاصل کر لی۔ اس عظیم تاریخی کارنامہ کے ثمرات آج تک جاری ہیں۔ ساؤتھ افریقہ میں اسلام کی نشو ونما کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی مولانا کا یہ کارنامہ سرِ فہرست ہوگا۔

ابوسلیمان اور قاسم عثمان علی، نیز ڈربن سے ''مسلم ڈائجسٹ'' کے ایڈیٹر اور انگریزی صحافی مسٹر محمد مکی بھی ساتھ تھے۔

کیپ ٹاؤن:

اتوار ۱۲را اکتوبر ۱۹۵۲ء کو مولانا کیپ ٹاؤن ایرپورٹ پر بذریعہ طیارہ رونق افروز ہوئے۔ مسلمانان کیپ ٹاؤن نے نہایت عظیم الشان تاریخی استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ مشہور انگریزی اخبار ''کیپ ٹائمز'' نے سرورق پر یہ سرخی لگائی تھی:

''ایک مذہبی مہمان کا پہلا یادگار استقبال''

باضابطہ ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی تھی۔ جس کے چیرمین جناب امام اسماعیل طالب تھے۔ کیپ ٹاؤن کی پوری مسلم قوم نے جس والہانہ انداز میں اپنے دینی رہنما اور مقبول عوام وخواص لیڈر کا استقبال کیا، اس کی مثال کیپ ٹاؤن کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

کونسلر صالح دولی آف دی کیپ ٹاؤن سٹی کونسل اور جناب سید عبدالقادر کیپ سماجی کارکن کی قیادت میں استقبال کی منصوبہ بندی، ایرپورٹ سے قیام گاہ تک کے راستے طبل وعلم کے ساتھ جوانوں کی صف اور بگل بجانے اور درود وسلام کے شادیانے کی گونج کا نہایت دلکش منظر پیش کرتی ہوئی جماعتیں بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھیں۔

کیپ ٹاؤن کو ''دی مدرسٹی'' (شہروں کی ماں) کہا جاتا ہے۔ یعنی ساؤتھ

افریقہ کا پہلا۔ شہر بہت قدیم! اور تاریخی دو سمندروں کا سنگم۔

ایرپورٹ کے باہر جلوس اس طرح روانہ ہوا کہ مولانا ایک کھلی کار میں، جناب سید منصور رفاعی کے ساتھ، آہستہ آہستہ چلتا ہوا سڑک کے دونوں طرف عوام وخواص، لائن میں کھڑے اپنے دینی رہنما کا نظارہ کررہے تھے۔

میرین ڈرائیو سے گزر کر جلوس آڈرلی اسٹریٹ میں رکا۔ اب یہاں سے مولانا کی سواری بدل گئی۔ کار سے اتار کر چھ گھوڑوں کی بگھی میں بٹھائے گئے۔ چاروں طرف بلڈنگوں اور بالاخانوں پر چڑھے ہوئے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر اپنے رہنما کو والہانہ وعقیدتمندانہ خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ اس طرح یہ قافلہ ''پریڈ گراؤنڈ'' کے وسیع میدان تک پہونچا۔ جہاں گارڈ آف آنر پیش کیا گیا۔

حضرت کے چہرہ پر نور کی برسات۔ کتھئی رنگ کا عمامہ، ہوا میں لہراتی ہوئی سفید ریش مبارک جس سے دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں، اسلامی روحانی افواج کے اس عظیم سپہ سالار کے چہرہ پر عزم وحوصلہ کا رنگ اور فاتحانہ وقار نمایاں تھے اور وہ کھڑے ہو کر مسلمانوں کی سلامی لے رہے تھے۔

گارڈ آف آنر سے فارغ ہونے کے بعد مولانا پلیٹ فارم پر آئے اور مولانا نے اپنے مخصوص مگر آج کچھ جذباتی لہجہ میں سب کا نہایت پُرخلوص شکریہ ادا کیا۔ پھر فرمایا:

''ساؤتھ افریقہ میں تمام انسانوں کی خدمت کے لیے آیا ہوں

خواہ وہ کسی رنگ کے ہوں، گورے ہوں، کالے ہوں، پیلے ہوں یا گندمی۔ اس لیے کہ خدا کی حکومت میں سب برابر ہیں''۔

آگے چل کر فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ کیپ ٹاؤن کے لوگوں نے میرا استقبال بحیثیت عبدالعلیم صدیقی نہیں کیا، بلکہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے کیا ہے''۔

جس کے بعد گرم جوشانہ نعرے بلند ہوئے اور عوام نے اپنے جذبہ حبِ رسول کا اظہار کیا۔ پھر آپ نے اسلام کے بارے میں یہ الزام کہ وہ بزور شمشیر پھیلایا گیا کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہندوستان پر مسلمانوں کی سات سو سال سے زیادہ حکومت رہی۔ اگر وہ تلوار کا استعمال کرتے تو وہاں ایک بھی غیر مسلم باقی نہ رہتا۔ حالانکہ اس کے برخلاف ہندوستان میں مسلمان اقلیتی قوم ہے۔ اگر ماضی میں کبھی مسلمان نے تلوار اٹھائی ہے تو یا اپنے دین کی آزادی کے لیے یا اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کے دفاع کے لیے''۔

اس کے بعد مولانا نے سب کے لیے دعا فرمائی۔ سب کا شکریہ ادا کیا اور استقبالیہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ کیپ ٹاؤن میں مولانا کا قیام مسٹر موسیٰ ہاشم کے یہاں

''گلوف اسٹریٹ'' میں تھا۔

پورٹ ایلزبتھ:

کیپ ٹاؤن میں مثالی اور یادگار استقبالیہ کی گونج نہ صرف سارے ملک بلکہ تمام پڑوسی افریقی ممالک میں سنی گئی۔ پورٹ ایلزبتھ کیپ صوبہ کا ایک چھوٹا مگر صنعتی شہر ہے۔ جہاں ملیشیائی نسل کے مزدور طبقہ کی خاصی آبادی ہے۔ ان میں مسلم غیر مسلم اور نومسلم سبھی مولانا کے بڑے عقیدت مند ہیں۔ مولانا کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہے۔ لہٰذا ان کی دعوت پر مولانا پورٹ ایلزبتھ آئے غریبوں، مزدوروں اور نومسلموں میں ان کی زیارت سے زندگی کی اُمنگ، خداپرستی کا جذبہ اور شر پسندی سے نفرت کے جذبات تازہ ہوگئے۔ وہاں اجلاس میں ڈپٹی میئر نے مولانا کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ:

''اس وقت دنیا میں نفرتوں اور جنگوں کی فضا ہے۔ انسانیت کو بچانے کے لیے مولانا ایک فورس کا کام کر رہے ہیں''۔

اس دفعہ ساؤتھ افریقہ کا دورہ چونکہ عالمی دورہ کے بعد ہو رہا تھا اور مولانا کا عالمی دورہ ڈھائی سال تک جاری رہا تھا۔ اکتوبر ۱۹۴۰ء میں کراچی سے شروع اور مئی ۱۹۵۱ء میں کراچی پر ختم ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب پوری دنیا عالمی جنگ کی تباہ کاریوں اور جانی مالی نقصانات سے بری طرح متاثر تھی۔ آہوں اور سسکیوں کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ حضرت مولانا انسانیت کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے روحانی مسیحا بن

کر ملکوں، شہروں، دیہاتوں اور آبادیوں میں پہونچ کر ہر دلِ محزوں کو تسکین کی دولت تقسیم فرمانے لگے۔

لیڈی اسمتھ:

ساؤتھ افریقہ کے اس تاریخی شہر میں ۱۲ ر جنوری ۱۹۵۳ء کو الوداعی پروگرام سے قبل عالمی دورہ کی برکات وثمرات سے ہر ایک کو آگاہ کرنے اور مولانا کو اس عظیم کارنامہ پر ایسے وقت میں جب دھرتی پیاسی تھی امن وآشتی کا اسلامی پیغام پہونچانے پر خصوصی مبارکباد پیش کرنے کے لیے ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔ انگریزوں نے اس میں بڑی دلچسپی دکھائی، اور اپنے پورے خاندان سمیت مولانا کو دیکھنے کے لیے جمع ہوئے۔

مشرقی نٹال کے چیف مجسٹریٹ نے مولانا کو ان کے عالمی دورہ پر مبارکباد پیش کی۔ شہر کے میئر نے امنِ عالم کے قیام میں مولانا کی خدمات کو سراہا۔ جناب ایم این خاں صاحب نے اپنی تعارفی تقریر میں مولانا کی قائم کردہ ''بین المذاہب رابطہ کمیٹی'' جس کا ہیڈ کوارٹر سنگاپور، ملایا، ملیشیا میں تھا کو اس دور کی ایک بڑی ضرورت بناتے ہوئے اسے مولانا کا عظیم الشان کارنامہ قرار دیا۔

دوسرا عظیم کارنامہ عیسائی دنیا کے روحانی لیڈرس اور مسیحی مبلغین کو کمیونزم کے خطرات سے آگاہ فرمانا ہے۔ تاکہ الحاد اور دہریت کے خلاف ہر طرف سے ناکہ بندی ہو سکے۔ دکھی انسانیت کے لیے جگہ جگہ پناہ گاہیں، یتیم خانوں اور بیوہ خانوں

کی شکل میں قائم کرنے کی تجویز کے مولانا بانی ہیں۔ مسلم خواتین کے لیے علاحدہ ہسپتال قائم کرنے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے۔

انہوں نے بتایا کہ انہیں خدمات کی بنیاد پر آپ کو ''اووِنگ امبیسڈر آف پیس'' (امن کا جہاں پیما سفیر) کا خطاب دیا گیا۔ ہم آپ کی طویل عمری اور صحت وتندرستی کی دعا مانگتے ہیں۔ لیڈی اسمتھ میں مولانا کی میزبانی ڈاکٹر اے ایچ صدر نے کی اور لکچر ریکارڈ کیا گیا۔

ڈربن میں الوداعی پروگرام مرتب ہو رہے تھے۔ لوگوں میں مولانا سے جدائی کا غم انہیں افسردہ بنا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے قریب رہ کر فیض حاصل کر رہے تھے۔ کیپ ٹاؤن میں عظیم الشان جشن میلاد النبی کے بعد مولانا کو رخصت کرتے ہوئے اہل کیپ ٹاؤن نے الوداعی تقریب منعقد کی۔ جذبۂ تشکر سے لبریز دل و نگاہ کے ساتھ ہر ایک اپنے رہنما کو رخصت کر رہا تھا۔

اس موقع پر مولانا نے اپنے جوابی ایڈرس میں قدرے جذباتی ہو کر اپنے دونوں ہاتھ حاضرین کی طرف پھیلا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔ دعائیں دیں اور فرمایا کہ آپ کا ''جشن میلاد النبی'' سرکار رسالتِ مآب کی بارگاہ میں مقبول ہے، اور مدینہ سے رحمتیں اور برکتیں آپ کی طرف مائل ہیں۔

ساؤتھ افریقہ کو پہلی مرتبہ مولانا نے ٦ ماہ کا وقت دیا قیمتی مشورے دیئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے مکمل منصوبہ تیار فرما کر ان کے حوالہ کر دیا

۔کچھ پیشین گوئیاں بھی فرمائیں۔ جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں۔ بعض اہل نظر نے محسوس کرلیا تھا کہ شاید یہ مولانا کا آخری سفر ہے۔

ڈربن کی الوداعی تقریب شکریہ سے شروع ہوئی۔ جواب میں مولانا نے تمام حاضرین مسلم اور غیر مسلم کو جو روحانی برکت حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے نصیحت فرمائی۔ صبح جلدی اٹھو، غسل کرو، صاف کپڑے پہنو۔ اپنے خدا کو یاد کرو اور دعا کرو کہ سیدھے راستہ پر چلائے۔ مسلمانوں کو پنج وقتہ نماز کی پابندی کی تاکید فرمائی۔ اپنے اس آخری نصیحت آموز ارشاد میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

''ہر قومی لیڈر اپنی قوم سے کہتا ہے آگے بڑھو، بڑھتے رہو، پیچھے مڑ کر نہ دیکھو، میں اپنے تمام سننے والوں سے یہ کہوں گا، پیچھے چلو، خدا کی طرف چلو، قدیم مذہب کی طرف چلو، پچھلے زمانہ کے لوگوں کی پیروی کرو، ترقی تمہارے قدم چومے گی''۔ (انگریزی سے ترجمہ)۔

ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

آپ نے فرمایا:

''اس مضطرب دنیا کو قرآن کا یہ پیغام سنا دو، بار بار سناتے رہو 'اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان عطا کرتا ہے''۔

میں سمجھتا ہوں اب میرا وقت قریب آگیا ہے، میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں، آپ سے گزارش کرتا ہوں

کہ میرے لیے دعا کریں، جب میرا آخری وقت آئے تو اللہ مجھے مدینہ

پہونچادے اور کاش نبی کے شہر میں دفن ہونے کی سعادت بخش دے''

۔(انگریزی سے ترجمہ)۔

تمام حاضرین نے آمین کہی اور بہت سے لوگ پھوٹ کر رونے لگے

۔ڈربن کا یہ الوداعی پروگرام جو ایولون ہال میں ۱۱رجنوری ۱۹۵۳ء اتوار کے دن منعقد

ہوا تھا آخری پروگرام تھا۔جس کے بعد آپ کو بذریعہ طیارہ جوہانسبرگ سے ماریشش

ہوتے ہوئے وطن روانہ ہونا تھا۔

۲۳رجنوری ۱۹۵۳ء کو مولانا کا طیارہ مائل بہ پرواز ہوا۔اس کے بعد ڈربن

کے انگریزی اسلامی ماہنامہ ''دی مسلم ڈائجسٹ'' کے جنوری شمارہ میں جو اداریہ شائع

ہوا اس کا عنوان تھا ''اللہ گو وِتھ ہم'' (اللہ ان کے ساتھ رہے)۔

مولانا کی تعریف وتوصیف میں ان کی خدمات کے ذکر کے ساتھ ہی ساتھ

ایک واقعہ جو ڈربن میں پیش آیا لکھا ہے۔قارئین کے لیے اس کا ترجمہ دلچسپ ہوگا۔

اور یہ ہوسِ زر کے موجودہ ماحول میں لوگوں کے لیے درس عبرت ہے:

''چھ ماہ کے پورے دورہ میں مولانا نے نہ کوئی نذرانہ وصول

کیا نہ تحفہ۔روانگی سے کچھ قبل ڈربن کے ایک سرمایہ دار تاجر نے ۲۵۰

پونڈ کی رقم تحفتاً پیش کی۔حضرت نے قبول فرما کر پھر انہیں واپس کی،

اور فرمایا یہ رقم ''عبدالعلیم صابر اسکالرشپ فنڈ'' میں شامل کر لیجیے۔یہ

حقیقت حال ہے''۔(انگریزی سے ترجمہ ماہنامہ ''مسلم ڈائجسٹ'' شمارہ جنوری ۱۹۵۳ء ص:۳)۔

مبلغ اسلام کے کردار کی عظمت کا یہ ایک واقعہ ہے جو دستیاب ہے اور نہ جانے کتنے ایسے واقعات ہوں گے جو ہم تک نہیں پہونچ سکے۔نہ ان کا کوئی ریکارڈ ملتا ہے۔نہ کوئی راوی اب موجود ہے۔کردار کی اس عظمت کو بار بار سلام پیش کیجیے اور اس کی تاثیر دیکھیے مولانا کی شخصیت پُر اثر تاثیر تو تھی ہی،ان کی آواز کی جاذبیت بھی مثالی تھی۔ان سب سے بالاتر یہ ہے کہ ان کے مشورے،ان کی نصیحتیں اس قدر پرتاثیر ہوتی تھیں کہ ایک پوری نسل نے ان کو گرہ سے باندھ لیا اور اپنائے رکھا۔راقم کے برادرِ بزرگ علامہ شمیم اشرف ازہری ماریشش میں رہتے ہیں۔انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا:

''صبح خیزی کے ماریشش کے مسلمان جتنے پابند ہیں۔ایسے میں نے دوسری جگہ نہیں دیکھے۔اور یہ مبلغِ اسلام کی اس آخری نصیحت کا فیض ہے، جو انہوں نے آخری وقت میں فرمائی تھی''۔

''صبح جلدی اٹھو'' عوام وخواص کے دلوں میں انہوں نے ایسی جگہ بنائی ہے کہ لوگ عقید تمندانہ اپنے بچوں کے نام ''عبدالعلیم'' کثرت سے رکھتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ کے کئی شہروں میں مسجد کا نام عبدالعلیم مسجد،عبدالعلیم ہاؤس،صدیقی منزل،صدیقی مسجد۔اہلسنت کا پہلا دارالعلوم جوڈربن میں قائم ہوا۔اس کا نام

''دار العلوم علیمیہ رضویہ'' رکھا گیا۔ ڈربن میں ایک روڈ کا نام ''میرٹھ روڈ'' ہے۔ جو مبلغ اسلام کا وطنِ اصلی ہے۔

ماریشش کا آخری سفر:

مئی ۱۹۴۹ء میں ہوا تھا۔ ۳ ماہ تک قیام رہا۔ اگست کی ۱۲ر تاریخ ''کوری یونین'' کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر کی مکمل روداد انگریزی میں باتصویر حلقہ قادریہ اشاعت اسلام نے ایک ''سوینیر'' کی شکل میں انگلینڈ سے چھپوا کر شائع کی تھی۔ جس سے ماریشش میں اسلام کا لگایا ہوا ہر پودا سرسبز و شاداب برگ و بار دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا اسلام اس جزیرہ کا فاتح ہے، اور مبلغِ اسلام اس کے قائد۔ اب جدائی کا وقت آ گیا تھا۔ چنانچہ ۷ر اگست ۱۹۴۹ء کی تاریخ الوداعی تقریب کے لیے مقرر ہوگئی۔ ''حلقہ قادریہ اشاعت اسلام'' نے جو حضرت مولانا کے مریدین و متوسلین کی جماعت ہے۔ تقریب کا اہتمام شروع کر دیا۔ دعوت نامے تقسیم ہونے لگے۔ بالآخر وقت مقررہ پر جامع مسجد کے عظیم الشان ہال میں جملہ مریدین و متوسلین جن کی تعداد ۱۹۴۹ء تک ۱۰،۰۰۰ سے متجاوز ہو چکی تھی کا اجتماع ہوا۔

جناب اے آر محمد صاحب نے الوداعی تقریر کی۔ اس موقع پر مولانا نے مریدین کو مشورہ دیا کہ وہ لوگ علاقہ میں تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے ایک علاحدہ فنڈ ''تبلیغ فنڈ'' قائم کریں۔ سب نے اس پر لبیک کہی اور فوراً ۲۵۰۰ کا چندہ جمع کر کے ''تبلیغ فنڈ'' قائم کر دیا۔

مختلف علاقوں میں مسلمانوں کی چھوٹی بڑی تنظیموں اوراداروں کودعوت دے کر بلایا۔مولانا نے ہرایک کی حوصلہ افزائی فرمائی اور انگریز بھی پیچھے نہیں رہے۔ جزیرہ کے اس علاقہ میں جہاں اکثریت انگریزوں اور حکومت کے افسرانِ بالا کی ہے ۔وہاں کے سول کمشنر نے مولانا کوان کی قومی خدمات اور جزیرہ پر ان کے روحانی فیوض کے اعتراف میں دعوت دی اور تقریب رکھی۔تمام عہدیدارفوج اورسول سروس کے افسران برطانوی کمپنیوں کے منیجر گویاانگریز حکمراں طبقہ کادل ودماغ مولانا کو دیکھنے اور سننے کے لیے وہاں اکٹھاتھا۔مولانا نے اس موقع پر مادہ پرست اور مادیت نوازلوگوں کوانہیں کی زبان میں خالقِ کل کی یاددلائی،اور پوری صدیقی شانِ استغنا کے ساتھ فرمایا:

یہ زندگی بہرحال ختم ہونے والی ہے۔اس لیے زندگی کے دینے والے کوہمیشہ یادرکھو۔دنیا کی تمام مشکلات خداکوبھلادینے کے سبب سے ہیں۔اس کوناراض نہ کرو۔وہ تم پررحمت نازل کرے گا "۔(انگریزی ترجمہ)۔

جدائی کی گھڑی آئی۔۱۲راگست ۱۹۴۹ءکوروانگی ہے۔غمناک آنکھیں اور افسردہ دل لیےلوگ ملاقات کے لیے آتے جاتے رہے۔سب کے لیے دعائیں، سب کے لیے ہدایتیں،ایسی ہدایات جودنیاوآخرت میں سرخروئی کا سبب بنیں۔ ایرپورٹ سے روانہ ہونے سے پہلے دوستوں اورعقیدتمندوں کے ہجوم کوسلام اوردعا

کے ساتھ رخصت فرمایا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

ایک غریب پسماندہ قدرتی آفات کے خطروں میں گھرا ہوا ملک جو چند جزائر پر مشتمل ہے، زمانہ قدیم میں مسلمان اکثریتی ملک تھا۔ اسپین نے مسلم حکمراں کو شکست دے کر فلپینی جزائر پر قبضہ کرلیا، اور جبری ارتداد کے ذریعہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز کیا۔ اسپین طاقتور بھی تھا اور دولتمند بھی۔ متعصب رومن کیتھولک عقائد کا حامی تھا۔ سو سال ان کی حکمرانی رہی، اور اس عرصہ میں انہوں نے تقریباً ۸۰ یا ۹۰ فیصد مسلمانوں کو مرتد بنا دیا۔ خوش قسمتی سے بعض جزائر جہاں کی آبادی عربی النسل مسلمانوں پر مشتمل تھی گھنے جنگل میں سادہ قبائلی زندگی گزارتے تھے اور اسلام پر راسخ العقیدہ تھے، وہ اپنا ایمان بچانے میں کامیاب رہے۔ وہ برطانوی اور امریکی استعمار سے برسرِ پیکار رہے۔ مرتے مارتے رہے۔ مگر ہتھیار نہیں ڈالے۔

وہ مسلم دنیا سے بالکل کٹے ہوئے تھے۔ کسی کو ان کی خبر نہ تھی۔ نہ کوئی ان کی مدد کو آسکتا تھا۔ نہ وہ کسی سے مدد مانگنے جاسکتے تھے۔ اسی درمیان اپنے طویل عالمی تبلیغی دورہ میں مولانا عبدالعلیم صدیقی فلپائن جا پہونچے۔ کیتھولک فرقہ کے متعصب عیسائی ہر طرف چھائے ہوئے تھے۔ مولانا کے ساتھ ان کے داماد ڈاکٹر انصاری مرحوم بھی تھے۔ انہوں نے اپنے ایک مقالہ میں جو ''منارٹ'' انگریزی میں شائع ہوا،

لکھتے ہیں:

۱۹۴۹ء میں مولانا کے عالمی تبلیغی دورہ کے درمیان ہم فلپائن کے مرکزی شہر ''کوٹاباٹو'' آئے۔ جہاں تقریب کے بعد لکچر کا پروگرام تھا۔ یہ جلسہ ایک کھلے میدان میں ہونے والا تھا۔ ظہر کے بعد اچانک موسم تبدیل ہوگیا۔ آسمان ابر آلود ہونے لگا۔ ہر طرف سیاہ بادل چھانے لگے۔ اندھیرا پھیلتا گیا۔ میں نے ان کے کمرہ میں جاکر موسم کا حال بتایا۔ نہایت اطمینان سے انہوں نے فرمایا:

''بیٹا! اللہ کا پیغام پہونچانے آئے ہیں۔ بادل ہو یا بارش سب اس کے حکم کے باندھے ہیں۔ اگر اس کی مرضی ہے کہ ہم اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہونچائیں تو موسم بدل جائے گا''۔

(انگریزی سے ترجمہ ''منارٹ'' ۱۹۸۵ء)۔

اب وقت آگیا تھا کہ سلطنت مصطفیٰ کا یہ نمائندہ اپنے سلطان کی حکمرانی کا جلوہ دنیا کو دکھائے۔ چنانچہ ڈاکٹر انصاری مرحوم لکھتے ہیں:

مغرب کے بعد ہم لوگ جلسہ گاہ پہونچ گئے۔ کافی بڑا اور کھلا گراؤنڈ تھا، جو سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ گورنر جلسہ کا صدر تھا اور چیف جسٹس بھی وہاں موجود تھا۔ مولانا نے لکچر شروع فرمایا اور فوراً بارش کی بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ مجمع اٹھنے لگا، مولانا نے تقریر

روک کر فرمایا:

دوستو! آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ بارش ابھی فوراً رک جائے گی"۔

اور واقعی بارش بالکل رک گئی۔ پھر مولانا نے مزید فرمایا:

یہ بارش اس وقت تک ٹھہری رہے گی، جب تک یہ جلسہ جاری رہے گا اور جلسہ ختم ہونے کے بعد آپ کے پاس دس منٹ ہوں گے تاکہ آپ گھر چلے جائیں۔

جب تک جلسہ ہوتا رہا بارش بالکل تھمی رہی، پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا، ڈیڑھ گھنٹہ تک مولانا کا لکچر ہوا۔ مجمع بالکل ساکت و جامد بیٹھا رہا۔ بادلوں کی گھڑگھڑاہٹ اور بجلیوں کی چمک درمیان میں ہوتی رہی۔ مگر سامعین مطمئن رہے۔ مولانا کی روحانی قوت کا تماشہ دیکھتے رہے۔ لکچر ختم ہوا۔ چیرمین نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ برخاست ہونے کا اعلان کیا۔ اب مجمع مولانا کی طرف مصافحہ کرنے کے لیے لپک رہا تھا۔ مولانا کی آواز پھر گونجی:

"دوستو! برائے مہربانی آپ کے پاس ۱۰ منٹ ہیں۔ جلد گھروں کی طرف لوٹ جائیں، میں بھی اپنے ہوٹل جا رہا ہوں"۔

ٹھیک دس منٹ بعد موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ اگلی صبح

سڑکوں پر تقریباً دو گز اونچا پانی بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں کیتھولک عیسائی یہ کرامت دیکھ کر ایمان لائے۔ یہ سلطنت مصطفےٰ کے اس نمائندے پر مصطفےٰ کریم کا خصوصی کرم تھا۔

بحمدہٖ تعالیٰ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت پر بند لگ گیا۔ اب ان میں کھل کر عیسائیت کی تبلیغ کی جرأت دم توڑنے لگی۔ مسلمانوں کا حوصلہ بلند ہوتا گیا۔ پادریوں کی دوکان سونی ہوتی گئی۔ چرچوں کی بھیڑ بھاڑ چھٹنے لگی، مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر جگہ قرآن پاک کی تعلیم کے لیے مدارس اور مکاتب قائم ہونے لگے۔

امریکہ کا سفر پہلی مرتبہ ۱۹۵۰ء میں ہوا جس کی کچھ تفصیل اس پمفلیٹ سے معلوم ہوتی ہے جو ''دی مسلم سوسائٹی آف امریکہ'' نے مولانا کے وہاں آنے پر شائع کیا۔ انگریزی میں یہ پمفلیٹ تعارف اور خدمات کی تفصیل، امریکہ میں منعقد ہونے والے پروگرام کے اعلان پر مشتمل ہے:

''بدھ ۱۹/اگست ۱۹۵۰ء کو ۵ بجے شام مولانا عبدالعلیم صدیقی امن اور بھلائی کے سفیر پان امریکن ایرویز کے طیارہ کے ذریعہ ''ٹرنیڈاڈ'' سے امریکہ پہونچے۔ یہ کسی نئے فرقہ کے مبلغ نہیں۔ بلکہ اہلسنت والجماعت کے نمائندہ ہیں۔ انگریزی اور جدید علوم کے مانے ہوئے اسکالر ہیں۔ ''الازہر'' یونیورسٹی نے آپ کے قاہرہ آنے

پر استقبال کیا۔ اور آپ کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ رکھا۔ مولانا امریکہ کے لوگوں کو امن وسکون کا پیغام سنانے اور یہاں کے مسلمانوں کو روحانیت کی تعلیم دینے آئے ہیں۔ مولانا کمیونزم اور الحاد کے سخت مخالفین میں سے ایک ہیں۔ مولانا کے سلسلہ وار لکچر امریکہ اور کناڈا میں ہوں گے۔ مولانا کا پروگرام ''اسلامک مشن آف امریکہ'' نے مرتب کیا ہے۔ ۲۴ راگست کو مولانا نیویارک سے واشنگٹن روانہ ہو جائیں گے۔ ملاقات کے بعد ''یونگ ٹاؤن اوہیو'' کے لیے روانہ ہوں گے۔ جہاں ''مسلم کنونشن'' میں شرکت کریں گے۔ جہاں مصر اور پاکستان کے سفیروں سے ملاقات کریں گے''۔ [انگریزی سے ملخص ترجمہ]۔

۱۹۵۰ء میں امریکہ ابھی سُپر پاور نہیں بنا تھا۔ روسی کمیونزم کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ قادیانی اور بہائی وغیرہ گمراہ فرقے بنام اسلام امریکہ کی حمایت کا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اس ماحول میں مبلغ اسلام کا امریکہ میں نفوذ اور وہاں حقیقی احیا اور گمراہ فرقوں کے ابطال کا بہترین موقع تھا۔ جس کے بعد وہاں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اور حقیقی اسلام کو رفتہ رفتہ فروغ حاصل ہوتا گیا۔ سیاسی طور پر اس وقت امریکہ ہر اس تحریک کی حمایت کرتا تھا۔ جو روس مخالف ہو، کمیونزم دشمن ہو۔

اتحاد بین المذاہب کانفرنس سنگاپور :

۱۹۴۹ء میں مولانا نے اپنے قیام سنگاپور کے دوارن عیسائیت ، بدھ ازم، سکھ اور اسلام کو کمیونزم اور الحادی قوتوں کے خلاف ایک اتحادی فورس تیار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ مولانا کی تبلیغی حکمت عملی تھی۔ دعوت و تبلیغ کے لیے ضروری تھا کہ لوگ پہلے خدا پرست بن جائیں۔

چنانچہ مشہور مذاہب کے لیڈروں کو جمع کر کے آپ نے کمیونزم کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ اور دفاع کے لیے ایک نظام مرتب کر کے مشترکہ دشمن کے خلاف صف آرا کر دیا۔ سنگاپور کے اخبار ''اسٹریٹس ٹائمز'' نے رپورٹ شائع کی:

> ''کمشنر فنٹر میک ڈونالڈ نے صدارت کی اور اس کانفرنس کو اپنی نوعیت کی پہلی اور نہایت ضروری قرار دیا۔ تمام مذاہب کے لیڈروں نے اتفاق کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا''۔ [اسٹریٹس ٹائمز سنگاپور ہفتہ ۱۹ ؍ مارچ ۱۹۴۹ء:]۔

اس تحریک کا فوری نتیجہ نہایت مثبت نکلا اور الحادی قوتوں کی پسپائی بھی ہوئی۔ آئندہ پھر یہ اتحاد دیرپا نہیں رہا، مگر مولانا کی تبلیغی حکمت عملی کے نتیجہ میں اسلام کے مخالفین کی قوت تقسیم ہو گئی اور دوستانہ ماحول ملنے لگا۔

نیز اسی سلسلہ میں جنوری ۱۹۵۰ء میں قاہرہ، مصر، کیتھولک چرچ کے پوپ دوازدہم کو جو ویٹکن روم کے ہیڈ کوارٹر میں سب سے بااختیار شخصیت تھا ایک مراسلہ بھیجا۔ جس میں مسیحی دنیا کو کمیونزم ، مادہ پرستی اور الحاد کے بڑھتے ہوئے اثرات سے

آگاہ فرماتے ہوئے اس کے خطرناک نتائج کی طرف اشارہ فرمایا۔اور مذہبی قوتوں کوصرف خداپرستی کی بنیاد پر یک جاہونے کا مشورہ دیا۔

یہ خط ۲۰رجنوری ۱۹۵۰ء ''مشارع البستانی'' قاہرہ، مصر سے روانہ کیا گیا۔ جہاں مولانا کا قیام اپنے دوست الحاج محمد سالم کے یہاں تھا۔بعد میں یہ خط اخبارات میں شائع بھی ہوا۔

جہاں بانی سے ہے دشوارتر کار جہاں بینی
جگر خوں ہوتو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

آغوش محبوب میں:

مولانا نے پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد پوری زندگی کرائے کے چھوٹے سے مکان میں گزاری۔مولانا ظفر علی نعمانی صاحب کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے مکان خریدنے کی بات جب بھی کی تو مولانا ٹال جاتے تھے۔اخیر عمر میں جب مدینہ منورہ پہونچے تو وہاں ایک چھوٹا سا کچا مکان اپنے نام سے خرید فرمایااوراس پر بہت خوش ہوئے کہ میں باشندگان مدینہ میں شامل ہوگیا۔ان کی ہمیشہ سے یہ تمنا تھی کہ جنت البقیع شریف میں دفن ہونے کی سعادت میسر آجائے۔اپنی نعت کے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

علیم خستہ تنگ آگیا ہے درد ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ہو

اللہ تبارک وتعالی نے ان کی یہ تمنا پوری فرمائی۔ مختصر علالت کے بعد ۱۹۵۴ء میں مدینہ منورہ میں اس طرح وصال فرمایا کہ گنبد حضرا ان کے نگاہوں کے سامنے تھا اور اس کا مبارک نقش ان کی دنیاوی زندگی کا آخری نقش بن گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

من از عالم ترا تنہا گزیدم
روا داری کہ من تنہا نشینم

☆......☆......☆

المجمع النورانی کی نئی مطبوعات

برکات زمزم

احادیث وآثار صحابہ اور بزرگان دین کے فرمودات کی روشنی میں آب زمزم کے گوناگوں فضائل وبرکات، اطبا کے تجربات ومشاہدات اور سائنسی انکشافات واکتشافات پر مشتمل ایک نادر ونایاب کتاب، جو علما، طلبا اور عوام کے لیے یکساں مفید ہے۔

مصنف: مولانا غلام نبی۔ صفحات: ۸۸۔ قیمت: ۴۰۔

بزرگوں کے اخلاق

ماہنامہ پیام حرم ''احسان وسلوک'' کے کالم میں شائع تحریروں کا حسین گلدستہ، جس کو پڑھ کر ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، یہ کتاب خطبا اور ائمۂ مساجد اور عام مسلمانوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

مصنف: مولانا محبّ احمد علیمیؔ۔ صفحات: ۴۷۔ قیمت: ۳۵۔

نشان منزل

از: فروغ احمد اعظمی مصباحی (ایڈیٹر پیام حرم)

ماہنامہ پیام حرم کے دو درجن تاریخی، فکری، تعلیمی، تحریکی اور دعوتی اداریوں کا حسین مجموعہ، زبان سادہ وشستہ اور سنجیدہ، مگر جامع وپرکشش، جو ذہن کو اپیل کرتی ہے۔ صفحات: ۲۱۶۔ قیمت: ۸۰۔

ماہنامہ ''پیام حرم'' اردو اور ماہنامہ ''العلیم'' عربی

دارالعلوم علیمیہ نے قلمی پیش رفت جاری رکھتے ہوئے ۲۰۰۶ء میں ادارہ کے علمی دعوتی و تحقیقی وفکری مجلّہ اردو ماہنامہ ''پیام حرم'' جاری کیا، جب کہ اسی سال طلبہ اور علما کی قلمی سرگرمیوں کا ترجمان عربی ماہنامہ ''العلیم'' کی اشاعت کا آغاز ہوا، الحمدللہ یہ دونوں ماہنامے اپنے معیار اور بیش قیمت مقالات کے باعث قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جا رہے ہیں اور تحسین و آفریں کے کلمات سے ان کا خیر مقدم کیا جا رہا ہے۔

-: رابطہ کا پتہ :-

دفتر ماہنامہ ''پیام حرم'' دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، یوپی

دفتر ماہنامہ ''العلیم'' دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی، یوپی

مجوزہ نقشہ القصر النورانی (درسگاہی بلڈنگ)

بیادگار حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ

مطبوعات المجمع النورانی

ملنے کا پتہ

المجمع النورانی دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی ضلع بستی یوپی

Al- Majmaun Noorani Darul Uloom Alimia

Jamda Shahi Basti (U.P.) India Ph. : 05542-278650, 278653